

دلائل النجاة لأصول سید الکائنات (صلی اللہ علیہ وسلم)

اللہ
رسول
محمد



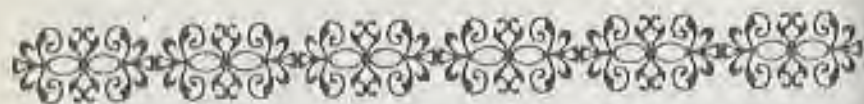
ڈاکٹر شاکر گل

145 - شمالی مارگٹ، راولپنڈی، پاکستان

مؤلف

مولانا حافظ محمد واہد بخش غوثی مہاروی

سابقہ مدرسہ جامعہ اسلامیہ لاہور



وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا

اور ہم کسی کو عذاب نہیں دیں گے جب تک ہم پہلے رسول نہ بھیج دیں (سورۃ نمل، آیت 10)
 مفسر نور محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد خصوصاً والدین کریمین کے ایمان و نجات یافتہ ہونے پر قرآن و سنت
 کی روشنی میں دلائل و براہین سے آراستہ آسان اور جامع اور پرورش کن مختصر مگر جامع کتاب مستطاب

ہنام:

دلائل النجات لأصول سید الکائنات (علیہ السلام)

مؤلف۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثی مہاروی
 سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور

ڈاکٹر شاکر کلینک

145۔ شمال مارننگ روڈ مغلیہ پورہ، لاہور

ناشر۔ انتظامیہ جامع مسجد

قبائلیو کینال پارک تاج باغ روڈ برنس پورہ، لاہور

مؤلف کتاب ہذا کی دیگر تالیفات

خصائص الاسماء الحسنیٰ

یہ کتاب اور فوائد و برکات اسماء الحسنیٰ پر مشتمل جامع و مدلل کتاب آج ہی منیہ کا مطالعہ فرمائیں
شمارہ ایک سال ۳۸ اردو بازار لاہور

تفسیر مدارک التنزیل

حقیقت: علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود بیلی (متوفی ۷۱۰ھ)
ترجمہ: علامہ حافظ محمد بخش غوثی مہاروی صاحب مدرس جامعہ نصیریہ لاہور
قرآن مجید اور کتب کلاسیک کا آسان اردو میں عشق و محبت سے لبریز سلیس اور بامحاورہ ترجمہ اور عقائد اہل سنت کی
تائید کے لیے سبب موقع مفید حواشی کے اضافہ کے ساتھ ترجمہ بنام **معارف التنزیل**
تالیف ہے۔ آیت اور آیت کے ساتھ سبب تفسیر کیلئے مقرر عام پر آ رہا ہے

خصوصیات

۱۔

۲۔

۱۔ اس کتاب میں اس قدر تفصیل اور بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ کتابت میں محظوظ ہے
۲۔ اس کتاب میں اس قدر تفصیل اور بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ کتابت میں محظوظ ہے
۳۔ اس کتاب میں اس قدر تفصیل اور بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ کتابت میں محظوظ ہے
۴۔ اس کتاب میں اس قدر تفصیل اور بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ کتابت میں محظوظ ہے
۵۔ اس کتاب میں اس قدر تفصیل اور بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ کتابت میں محظوظ ہے
۶۔ اس کتاب میں اس قدر تفصیل اور بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ کتابت میں محظوظ ہے
۷۔ اس کتاب میں اس قدر تفصیل اور بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ کتابت میں محظوظ ہے
۸۔ اس کتاب میں اس قدر تفصیل اور بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ کتابت میں محظوظ ہے
۹۔ اس کتاب میں اس قدر تفصیل اور بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ کتابت میں محظوظ ہے
۱۰۔ اس کتاب میں اس قدر تفصیل اور بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ کتابت میں محظوظ ہے

نمبر شمار

مضامین

صفحہ نمبر

۱	تالیف کتاب کی غرض	۷
۲	حضور کے والدین کے ایمان کے بارے میں مختلف مسالک کا بیان	۹
۳	پہلا مسلک (نجات یافتہ)	۹
۴	دوسرا مسلک (دین طیف پر قائم تھے)	۱۵
۵	تیسرا مسلک (دونوں مرنے کے بعد زندہ ہو کر ایمان لائے)	۱۹
۶	چوتھا مسلک (کفر کا قول)	۲۴
۷	پانچواں مسلک (توقف)	۲۶
۸	قرآن کریم سے استدلال	۳۰
۹	فقہاء کے فضائل و اقسام (مضمنی بحث)	۳۶
۱۰	اعزاز و مصلحت (مضمنی بحث)	۴۷
۱۱	کفار کے عذاب میں تخفیف کی بحث (اعتراض و جواب)	۵۱
۱۲	گستاخ رسول کا انجام	۶۴
۱۳	گستاخ رسول کے لیے شرعی حکم	۶۸
۱۴	گستاخ رسول کا شرعی سزا ثبوت	۷۷
۱۵	قرآن کریم سے ثبوت	۷۸
۱۶	سنت رسول سے ثبوت	۷۹
۱۷	اجماع امت سے ثبوت	۸۲
۱۸	قیاس سے ثبوت	۸۴

۱۹	امام ابو حنیفہ کے موقف پر دلائل	۸۶
۲۰	احادیث سے استدلال	۹۲
۲۱	علمائے اسلام کے اقوال سے استدلال	۱۰۳
۲۲	اعتراضات و جوابات	۱۰۵
۲۳	ماں باپ کی اطاعت میں چند ہدایات	۱۱۵
۲۴	اہل فترت کے لیے عذاب نہیں	۱۳۱
۲۵	اہل فترت کی تقسیم کا بیان	۱۳۲
۲۶	اعتراضات و جوابات	۱۳۶
۲۷	حضرت آدم سے حضور کے والدین تک ایمان کی بحث	۱۵۳
۲۸	دوسرے دور حضرت نوح سے حضرت ابراہیم تک	۱۷۰
۲۹	تیسرے دور حضرت ابراہیم سے والدین کریمین تک	۱۷۲
۳۰	شرک کا آغاز	۱۷۶
۳۱	کلمہ توحید کا نسل ابراہیمی میں جاری رہنا	۱۷۸
۳۲	محبوب خدا کے اجداد کو رام کا ذکر خیر	۱۸۶
۳۳	حضرت عدنان وغیرہ کا تذکرہ	۱۸۷
۳۴	حضرت و معد بن عدنان کا ذکر خیر	۱۸۸
۳۵	حضرت و معد کا ذکر خیر	۱۸۹
۳۶	حضرت و معد کا ذکر خیر	۱۹۱
۳۷	حضرت و معد کا ذکر خیر	۱۹۱

۳۸	حضرت مقداد کا ذکر خیر	۱۹۳
۳۹	حضرت خزیمہ کا ذکر خیر	۱۹۴
۴۰	حضرت کنانہ کا ذکر خیر	۱۹۴
۴۱	حضرت نصر کا ذکر خیر	۱۹۶
۴۲	حضرت مالک کا ذکر خیر	۱۹۶
۴۳	حضرت فہر کا ذکر خیر	۱۹۷
۴۴	حضرت غالب کا ذکر خیر	۱۹۸
۴۵	حضرت لوی کا ذکر خیر	۱۹۸
۴۶	حضرت کعب کا ذکر خیر	۱۹۹
۴۷	حضرت مرز کا ذکر خیر	۲۰۰
۴۸	حضرت کلاب کا ذکر خیر	۲۰۰
۴۹	حضرت نفی کا ذکر خیر	۲۰۰
۵۰	حضرت عبد مناف کا ذکر خیر	۲۰۲
۵۱	حضرت ہاشم کا ذکر خیر	۲۰۳
۵۲	حضرت عبد المطلب کا ذکر خیر	۲۰۷
۵۳	حضرت عبد اللہ کا ذکر خیر	۲۱۷
۵۴	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل کا ذکر خیر	۲۲۵
۵۵	حضرت آمنہ کا بوقت وصال حضور کی شان میں موعودانہ قصیدہ	۲۲۷

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا إِسْتِغْنَاءُ صِرَاطِ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ مِنَ الْبَلِيَّةِ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءَ وَالصَّحَابَةَ وَالْعَاقِبَةَ بِالْحَقِّ
الْقُلُوبَ وَالْأَسْلَافَ عَلَى خَالِدِ الْفِتْيَانِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى الْبُيُوتِ الشَّرِيفَةِ الْكَرِيمَةِ
الظَّاهِرِينَ الْمُطَهَّرِينَ مِنْ أَدْنَى عَقَائِدِ الْكَافِرِينَ وَالْمُشْرِكِينَ وَعَلَى آلِهِ
الطَّيِّبِينَ الظَّاهِرِينَ وَالصَّغَابَةِ الْعَادِينَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَأَوْلِيَاءِ أَمْتِهِ الصَّالِحِينَ
الْكَامِلِينَ وَعُلَمَاءِ مِلَّةِ التَّلَاثِينَ الْمُتَشَدِّدِينَ وَعَلَى سَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ
أَجْمَعِينَ

أَمَّا بَعْدُ

اجاب اہل سنت کی خدمت عالیہ میں نہایت ادب سے عرض ہے
کہ بندہ ناچیز سیاہ کار گنہگار کو اپنی کم علمی کا پورا پورا احساس اور اعتراف
ہے کیونکہ میں نہ تو اتنا بڑا عالم و فاضل ہوں اور نہ ہی ادیب و مصنف
ہوں البتہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
کی سچی عقیدت و محبت سے عقل و دماغ اور قلب و سینہ ضرور لرز رہے
اور جماعت اہل سنت کے لئے یہی وہ متاع عظیم ہے جس پر جتنا فخر کیا
جائے کم ہے اور اس کتاب کے لکھنے سے اولیں مقصد ہی یہی ہے کہ
جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی
خوشنودی حاصل ہو وہاں اپنی عقیدت و محبت کا اظہار بھی ہو جائے
کیونکہ حضور کے والدین کریمین کی نجات کا عقیدہ اہل محبت ہی رکھتے ہیں۔
دوسرے مقصد یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ اپنی نجات کا سامان بھی مہیا کیا جائے۔

تیسرا مقصد یہ ہے کہ اختلافات و تعصبات کے اس پر فتن دور
میں جہاں بدگلی بے راہ روی اور فاسد خیالات کی وبا عام پھیلتی جا رہی
ہے وہاں یہ عقیدگی، بے ادبی و گستاخی اور فرقہ پرستی کی بیماری بھی
سیلاب کی طرح ہر طرف پھیلتی جا رہی ہے اب تو یہ حالت ہو چکی
ہے کہ یہ عقیدہ لوگوں نے اپنے ظاہری علوم کے غرور میں جہاں حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور دیگر برگزگان دین کو ہدف تنقید بنایا جو اسے وہاں یہ یہ نصیب لوگ حضور کے والدین کریمین کو بھی ہدف تنقید بناتے رہتے ہیں اگرچہ چارے اکابر اہلسنت علماء اسلام نے اس مضمون پر کافی کتابیں لکھی ہیں خاص طور پر علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون پر آٹھ رساکی شریف تحریر فرمائے ہیں مگر سب کے سب عربی میں ہیں۔ علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت امام الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون پر شمول الاسلام نام کی ایک بہترین کتاب تصنیف فرمائی ہے جو اردو زبان میں جامع اور مدلل کتاب ہے لیکن عربی اور فارسی الفاظ کی آمیزش کی وجہ سے عام پڑھنے لکھے حضرات کے لئے اس کا سمجھنا دشوار ہے اس لئے ضرورت محسوس کی کہ نہایت آسان اردو میں اس مضمون پر ایک مختصر سی کتاب لکھ دی جائے تاکہ عام پڑھنے لکھے حضرات بھی استفادہ کر سکیں۔

یہ ہیں چند مقاصد حسنہ جن کی بنا پر اس کتاب کو لکھنے کے لئے مجھ میں بہت اور حوصلہ پیدا ہوا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حضور نبی اکرم رسول معظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد بہت خصوصاً آپ کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث بہت طویل ہے مگر یہاں اختصار کے پیش نظر مکمل گفتگو تو نہیں ہو سکتی تاہم چند ضروری دلائل ذکر کر کے منکرین کے اعتراضات کے جوابات دینے جائیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم نبی مختتم رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں مختلف مسالک کا بیان۔

پہلا مسلک یہ ہے کہ حضور نبی کریم رؤت الرحیم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نجات یافتہ ہیں کیونکہ یہ دونوں حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت (یعنی اعلان نبوت) سے پہلے انتقال فرما چکے تھے اور جو لوگ بعثت سے پہلے گذر چکے ہیں انہیں عذاب نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک قانون بیان فرمایا ہے کہ۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ
يَبْعَثَ رَسُولٌ
(پ، س، آیت ۱۵)

اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں جب تک ہم (لوگوں کی بھلائی کے لئے پہلے پیغمبر نہیں بھیج دیتے۔

نوٹ۔ قرآن کریم کی مزید آیات اہل فترت کی تقسیم میں بیان کی جائیں گی۔

اشاعرہ میں سے اہل اصول اور اہل کلام آئمہ کا ایک گروہ ۱۰ اور فقہائے شافعیہ کا یہی مسلک ہے کہ جو لوگ اس حال میں فوت ہو جائیں کہ انہیں کسی نبی کی دعوت و تبلیغ نہ پہنچی ہو تو وہ نجات یافتہ ہیں اور بعض فقہاء نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ایسا شخص جب فوت ہو جائے تو اسے عذاب نہیں ہوگا کیونکہ اس کی موت فترت پر ہے (فترت سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں کوئی نبی نہ ہو جیسے حضرت علیہ السلام سے لے کر حضور تک کا زمانہ) اور اس کی طرف سے دشمنی کا اظہار بھی نہیں ہوا اور نہ کوئی رسول آیا جس کی اس نے تکذیب کی ہو۔ شرح الاسلام علامہ شرف الدین مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی

ملک ہے کیونکہ ان سے جب پوچھا گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد کیا جہنم میں ہیں؟ تو آپ نے اس سائل کو خوب جھڑکا اور ناراض ہو کر فرمایا ہے شک ان کا انتقال زمانہ فترت میں ہوا تھا اور بعثت سے پہلے فوت ہونے والے عذاب کے مستحق نہیں بنتے نیز علامہ سبط ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مرآۃ الزمان" میں علماء اسلام کی ایک جماعت کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ
يُنْعَثَ سَؤُلًا

اور حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندگی بھر دعوت حق نہیں پہنچی تو ان کا کیا گناہ ہے کہ انہیں سزا دی جائے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن خلف المعروف علامہ الذہبی نے بھی شرح مسلم شریف میں اسی ملک پر یقین کا اظہار کیا ہے۔ علامہ شیخ عبد الدین اپنی کتاب "الامالی" میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر وہ انسان جو دو پیغمبروں کے درمیانی عرصہ میں پیدا ہوا ہو وہ بھی اہل فترت سے ہے مگر سابق پیغمبر کی اولاد کہ وہ سابق شریعت پر ضرور عمل کرے۔

ہاں البتہ پہلی شریعت نایاب ہو جائے یا پھر اس کی اصلیت مفقود ہو جائے تو اس صورت میں تمام لوگ اہل فترت میں سے ہوں گے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء کرام تشریف لاتے رہے وہ ایک مخصوص ملک اور ایک مخصوص قوم کے ہی ہوا کرتے تھے لہذا کسی بھی ملک اور قوم کے لئے کسی دوسرے علاقہ کے پیغمبر کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری نہ تھا۔ بہر حال حضور کے والدین کریمین سابق پیغمبر

یعنی حضرت علیہ السلام کی اولاد سے نہ تھے اور نہ ان کی قوم میں سے تھے کہ انکی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہوتا۔

باقی رہی حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تو آپ کے والدین کریمین آپ کے اعلان نبوت کرنے اور دین اسلام کی تبلیغ کرنے سے پہلے انتقال فرما گئے تھے۔ لہذا حضور کے والدین کریمین حقیقت میں اہل فترت سے ہیں کیونکہ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے آخر میں حضرت علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے جب کہ حضرت علیہ السلام اور امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقریباً پونے چھ سو سال کا وقفہ تھا اور اس درمیانی عرصہ کو زمانہ فترت کہتے ہیں اور حضور کے والدین کریمین عین اس زمانہ میں موجود تھے جبکہ تمام روئے زمین کوفسق و فجور ضلالت و گمراہی اور جہالت و نادانیت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور سرزمین مکہ میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو احکام شریعت کا عالم ہوتا اور دعوت حق اور احکام شریعت کی تبلیغ کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی کرتا۔

البتہ صرف چند اہل کتاب کے علماء و اجار موجود تھے جو دین حق کی تبلیغ کرتے تھے لیکن حقیقت سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ بھی سرزمین مکہ سے باہر دور دراز دوسرے علاقوں میں تھے جیسے شام وغیرہ کے علاقے تھے پھر اس غیر ترقی یافتہ دور میں جبکہ آمد و رفت کے وسائل بہت کم تھے ان کا خبر پوچھنا اور عام لوگوں کو پالینا بھی ممکن نہ تھا۔ نیز یہ بھی حقیقت سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین نے مکہ مکرمہ سے باہر سوائے مدینہ منورہ کے اور کسی علاقہ کا سفر بھی نہیں کیا اور انہوں نے اتنی دراز عمر پائی کہ وہ دین حق کی جستجو کرتے اور شریعت

کے احکام کو تلاش کرتے جیسا کہ علامہ حافظ صلاح الدین العلامی نے اپنی کتاب "الدرۃ النبیہ فی مولد سید البریہ" میں وضاحت فرمائی ہے کہ جس وقت حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد ماجد حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم اطہر میں جلوہ افروز ہوئے اس وقت آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کے قریب تھی۔ پھر مدینہ منورہ اپنی بیوی کے لئے کھجوریں لینے کے لئے گئے تو قبیلہ بنی سجاڑ میں اپنے ماموں کے گھر انتقال ہو گیا اور صحیح قول کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ابھی حمل میں ہی تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارک بھی تقریباً اتنی ہی تھی اور چونکہ وہ پردہ نشین اور گھر میں رہنے والی عورت تھیں اس لئے وہ مردوں کے اجتماعات سے دور رہتی تھیں اور اکثر عورتیں نہیں جانتی تھیں کہ مردوں کا دین اور شریعت کیا ہے؟

علیہ السلام خیال میں رہے کہ علامہ حافظ صلاح الدین العلامی کے اس قول کو علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے المعادی و الفتاویٰ کے ایک رسالہ مسائل الخفاء میں نقل کیا ہے اور اس میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال بتلائی گئی ہے جب کہ خود امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ عنہ نے اپنی کتاب "المضائق الکبریٰ" میں حضرت عبداللہ کی عمر مبارک پچیس سال لکھی ہے اور اس کی تائید میں علامہ واقدی کا ایک قول نقل کیا ہے جو یہ ہے۔

قَالَ الْوَاقِدِيُّ هَذَا أَثْبَتَ
الْأَوَّلُ وَالزَّوَايَاتُ فِي
وَقَاتِهِ وَكَسْبِهِ.

(المضائق الکبریٰ جلد اول ص ۴۴)

یعنی علامہ واقدی نے کہا ہے کہ حضرت
عبداللہ کی وفات اور نبی عمر مبارک کے متعلق
جس قدر روایات اور اقوال ہیں ان میں یہی قول
زیادہ درست و یقینی وقت وفات انہی عمر مبارک

خصوصاً ایسے جاہل زمانہ میں جبکہ مردوں کو دین حق کی پوری معرفت حاصل نہ تھی تو عورتیں کیسے جان سکتی تھیں نیز اہل فترت کا قیامت کے دن امتحان ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے وہ توجہ میں داخل ہوں گے اور جو نافرمانی کریں گے وہ جہنم میں جائیں گے یہاں صرف ایک حدیث شریف پیش کرتا ہوں۔
تفصیل علامہ امام عبدالرحمن جلال الدین سیوطی کی کتاب "مسائل الخفاء" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل اور علامہ اسحاق بن راہویہ دامام بخاری کے استاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "الاعتقاد" میں اس حدیث مبارکہ کو نقل فرمایا ہے اور اسے حضرت اسود بن سریح رضی اللہ عنہ سے صحیح قرار دیا ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

الرَّكْبَةُ يَتَخَوَّنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
رَجُلًا أَصَمًّا لَا يَسْمَعُ شَيْئًا وَ
رَجُلًا أَصْفًا وَ رَجُلًا هَرَمًا وَ
رَجُلًا مَاتَ فِي الْفِتْرِ فَأَمَّا الْأَصَمُّ
فَيَقُولُ رَبِّ لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ
وَمَا أَسْمَعُ شَيْئًا وَأَمَّا الْأَصْفُ
فَيَقُولُ رَبِّ لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ
وَالصَّبِيَّانُ يَخْذَوْنَ بِالْحَبْرَةِ
أَمَّا الْهَرَمُ فَيَقُولُ رَبِّ لَقَدْ
جَاءَ الْإِسْلَامُ وَمَا أَعْقِلُ
شَيْئًا وَأَمَّا الَّذِي مَاتَ فِي

قیامت کے دن چار آدمیوں کا امتحان
ہوگا ایک بہر شخص جو بالکل نہ سنے
دوسرا احمق آدمی، تیسرا دیوانہ شخص
اور چوتھا وہ شخص جو زمانہ فترت
میں فوت ہو گیا تھا ہر شخص کہے
گا اے میرے رب بلاشبہ اسلام آیا
لیکن میں کچھ سن نہیں سکتا تھا اور
احمق آدمی کہے گا اے میرے رب
بے شک اسلام آیا مگر مجھ پر کچھ
میں نہیں سمجھ سکتے تھے، دیوانہ آدمی کہے
گا کہ اے میرے رب بے شک

الْفِتْرَةَ يَقُولُ رَبِّ مَا أَنَا فِي
رُسُوكَ يَا أَحَدُ مَوَائِقِهِمْ
لِيُطِيعُنَهُ فَيُرْسِلَ إِلَيْهِمْ أَنِ
ادْخُلُوا الشَّارِقُونَ دَخَلَهَا
كَأَنَّ عَلَى بَنِي إِسْرَافِيلَ
وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْهَا لَمْ يَكُنْ مِنَ
الْإِيمَانِ.

الحادی ملقاوی جلد دوم
صفحہ ۲۵۰

اسلام آیا کہ میں کچھ سمجھ نہیں رکھتا
تھا اور جو شخص زمانہ فترت میں فوت
ہوا تھا وہ عرض کرے گا کہ میرے
رب میری طرف سے میری طرف
رسول کیا ہی نہیں پھر اللہ تعالیٰ امتحان
کی عرض سے ان سے سخت عہد لے گا کہ
اب انہیں جو حکم ملے گا اس کی ضرور
ضرور اطاعت کریں گے پھر انہیں حکم
دیا جائے گا کہ آگ میں داخل ہو جاؤ
جو شخص حکم خدا ملتے ہی آگ میں داخل
ہو جائے گا تو اس پر وہ آگ ٹھنڈی
اور سلامتی والی بن جائے گی اور جو
اس میں داخل نہ ہو گا تو اسے
گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

خیال میں رہے کہ حضرت حافظ العصر شیخ الاسلام علامہ ابو الفضل
ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض کتابوں میں اسی مسلک کی طرف مائل
ہوتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
کے وہ آباء و اجداد جو بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے انتقال کر چکے ہیں
ان کے متعلق ہمارا غالب گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے
اپنے حبیب اکرم نبی مہترم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام و اعزاز اور
رہنمائی خاطر انہیں توفیق رفیق عطا فرمائے گا کہ وہ قیامت کے دن امتحان
کے وقت حکم الہی کی اطاعت کریں گے تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھیں
ٹھنڈی ہوں۔

شیخ الاسلام قاضی تاج الدین ابکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مختصر ابن الجوزی
میں شکر منعم و انعام کرنے والے کے انعام پر شکرا داکر نے، کے مسئلہ
میں ارشاد فرمایا ہے کہ

مَنْ لَمْ يَسْلُخْهُ الدَّعْوَةُ
فَعِنْدَنَا يَمُوتُ فَأَحْيَاهُ
| جن شخص کو دعوت اسلام نہیں
پہنچی وہ ہمارے نزدیک بھات
پانے والا ہو کر مرے گا۔

علامہ نووی نے شرح مسلم میں مشکوٰۃ کے بچوں کے مسئلہ کے بارے
میں فرمایا ہے کہ صحیح اور مختار مذہب یہی ہے جس پر محققین قائم ہیں کہ یہ
افراد متقی ہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ ارشاد خداوندی ہے کہ
وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ | اور ہم عذاب کرنے والے نہیں
سُحْتَى نَبَعَثْنَا رَسُولًا | جب تک پہلے کوئی رسول نہ بھیجیں
اور دوسری وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب اسلام کی
دعوت نہ پہنچنے پر عاقل بالغ کو عذاب نہیں ہو گا تو نابالغ بچوں کو تو
بطریق اولیٰ عذاب نہیں ہو گا۔

(ماخوذ از الحادی ملقاوی جلد دوم، البدین والنفین فی تحقیق اسلام، باب سید المکونین،
دوسرا مسلک۔ یہ ہے کہ حضور سرور کائنات فرمودات
صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین سے

پوری زندگی میں شرک ثابت نہیں بلکہ یہ دونوں حضرات اپنے جدا جدا
حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دین حنیف پر قائم تھے جیسا
کہ اہل عرب کی ایک بہت بڑی جماعت دین ابراہیمی پر قائم تھی مثلاً
زید بن عمرو بن نفیل، ورقم بن نوفل، قیس بن ساعدہ، ابو بکر صدیق، عامر
بن الظرب، عبداللہ بن جحش، ابو قیس بن حرمہ، رباب بنت البراء، اسعد

بن کر یہ حمیری، ان کے علاوہ اور بھی بکثرت افراد دین ابراہیمی پر قائم تھے۔
 (ملاحظہ ہو حاشیہ الہدیین والنہیین بحوالہ تلخیص فہوم الاثرہ فی التاریخ والیو کشف الظنون)
 علماء اسلام میں سے ایک جماعت کا یہی مسکا ہے، انہیں میں سے
 امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "اسرار التنزیل"
 میں اس مسئلہ کی خوب وضاحت فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت
 ابراہیم علیہ السلام کے والد انہیں نہیں تھے بلکہ وہ آپ کا چچا تھا اور آپ کے
 والد محترم کا نام حضرت تارخ تھا۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ
 اِنَّ اَبَاءَ الْاَنْبِيَاءِ مَا كَانُوْا
 كُفٰلًا
 یہ منکس انبیاء کرام کے آباء و اجداد
 کافر نہیں ہوتے۔

(اس لئے حضور سرکارِ مدینہ اور حضرت ابراہیم کے والدین بھی کافر نہ تھے)
 دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:
 الَّذِيْ يَدْعُوْكَ تَقُوْهُ
 وَتَقْلِبْكَ فِي السَّاجِدِيْنَ
 (پک، ص ۳، آیت ۲۱، ۲۱۹)
 جو تمہیں دیکھتا رہتا ہے جب تم
 کھڑے ہوتے ہو اور تمہاری گزشتہ
 کو دیکھتا رہتا ہے اسجد کرتے
 والوں میں۔

اس آیت کریمہ کے بارے میں کہا گیا کہ اس کا مطلب اور معنی یہ ہے کہ
 اِنَّهٗ كَانَ يَقْلِبُ نَوْدُوْهُ مِنْ
 سَاجِدٍ اِلٰى سَاجِدٍ
 بلاشبہ حضور کا نور ایک ساجد سے
 دوسرے ساجد تک منتقل ہوتا رہا۔
 اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ حضور کے آباؤ اجداد اللہ تعالیٰ کی
 بارگاہ اقدس میں سجدہ ریزی کرنے والے عبادت گزار توحید کے قائل
 مسلمان تھے۔

چنانچہ علامہ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ

فَاَلَا اِنَّهٗ دَالٌّ عَلٰى اَنَّ جَبِيْنَ
 اَبَا اَبِيْصَالٰى اَللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ وَجَبِيْثٌ يَّجِبُ
 الْقَطْعُ بَيْنَ وَالِدَيْهِمَا اِنْ كَانَا
 مِنْ اَكْفَرِيْنَ

پس یہ آیت مبارکہ اس بات پر
 دلالت کرتی ہے کہ حضور کے تمام
 آباؤ اجداد مسلمان تھے اور اس
 وقت قطعی طور پر ظاہر ہو جاتا
 ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد اجداد
 کافروں سے نہ تھے۔

درحقیقت اگر آپ کا چچا تھا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ
 میں مفہوم اور معنی کے اعتبار سے دوسری وجوہات بھی ہیں جس
 پر اس آیت کو محمول کیا جائے گا اور جب تمام روایات موجود ہیں اور
 ان میں متعارض و متضاد بھی نہیں تو واجب ہے کہ آیت کریمہ کو سب
 پر محمول کریں اور جب یہ تمام احتمالات صحیح اور درست ہیں تو ثابت ہوا
 کہ حضرت ابراہیم کے والد بیت پرستوں میں سے نہ تھے پھر علامہ امام محمد
 فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیسری دلیل جس میں ثابت
 ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ
 اجداد شرک و کفر سے پاک تھے اور ان میں سے کوئی فرد بھی مشرکوں میں
 سے نہ تھا یہ ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

لَمْ اَزَلْ اَنْقُلْ مِنْ اَصْلَابِ
 الظَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الظَّاهِرِيْنَ
 میں ہمیشہ پاک پشتوں چپاک رحموں
 کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔
 چوتھی دلیل یہ ہے کہ

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ كُوْثَرٌ
 اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ مشرک ناپاک ہیں اور چونکہ حضور
 کے تمام آباؤ اجداد طیب و طاهر اور ہر قسم کی گندگی سے پاک تھے لہذا
 ثابت ہوا کہ وہ مشرک نہ تھے بلکہ مومن تھے۔

یہ ہے امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر کا بعینہ کلام جو کہ یہاں نقل کیا گیا ہے اور ہمیں انکی امامت و جلالت چون و چرا سے باز رکھتی ہے کیونکہ وہ یقیناً اپنے زمانے میں اہل سنت کے بہت بڑے امام تھے اور اپنے وقت میں بدعتی فرقوں کے رد میں ہمیشہ سرگرم عمل رہتے اور اپنے زمانے میں مذہب اشاعہ کے بہت بڑے مددگار تھے اور چھٹی صدی کے آخر میں ایسے مجدد اور عالم دین مبعوث ہوئے تھے جنہوں نے اس امرت کے دینی امور کو زندہ کر دیا تھا۔

(الحدادی لفتاویٰ جلد دوم ص ۲۱۰)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مسالک الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ میں نے امام ابو الحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ارشاد دیکھا ہے جو انہوں نے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ کلام کی طرف بطور اشارہ فرمایا ہے مگر انہوں نے اس قدر صراحت نہیں فرمائی جس قدر حضرت امام رازی نے فرمائی ہے۔

امام ابو الحسن فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام اس کے تمام بندوں سے برگزیدہ اور سب سے اعلیٰ و افضل ہوتے ہیں اور اس کی تمام مخلوق میں سے سب سے بہتر و برتر اور عظیم الشان کمالات کے حامل ہوتے ہیں اس لئے جب بھی انہیں حقوق الہی کی تائید اور لوگوں کی ہدایت کے لئے مقرر کیا جاتا ہے تو انہیں تمام لوگوں میں سے معزز و مکرم ترین عناصر سے منتخب کیا جاتا ہے اور مضبوط اور پختہ وعدوں کے ساتھ منتخب کر کے دنیا میں بھیجا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے دل صاف رہیں اور ان کی جانیں ان حضرات کی طرف خوب بھجک جائیں، لہذا کوئی شخص ان کے حسب و نسب پر اعتراض نہیں کر سکتا اور نہ ان کے منصب و مقام پر کوئی جرح کر سکتا ہے بلکہ سلیم فطرت لوگ انکی دعوت قبول کرنے

میں جلد ہی کرتے ہیں اور ان کے احکام کی خوب فرمانبرداری کرتے ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہائے تکامل سے منتقل فرمایا ہے اور آپ کو ہر قسم کی نجاست اور پلیدی سے محفوظ رکھا ہے اور وہ آپ کو ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رجول میں منتقل فرماتا رہا ہے اور بلاشبہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ وَتَقْلِبُكَ فِي السَّاجِدِينَ اور آپ کو سجدہ کرنے والوں میں منتقل فرماتا رہا ہے کی تفسیر و تاویل میں فرمایا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پاک پشتوں یعنی ایک باپ سے دوسرے باپ کی طرف منتقل فرماتا رہا ہے۔

نیز علامہ ابو جعفر احمد بن محمد الفاسی الخوی متوفی (۵۳۲ھ) نے اپنی کتاب معانی القرآن میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اس آیت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور کو پاک پشتوں میں منتقل فرماتا رہا ہے یہاں تک آپ کو نبی بنا کر پیدا فرمایا اور علامہ حافظ شمس الدین ابن ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

۱۔ تَقْلِبُكَ فِي السَّاجِدِينَ
۲۔ تَقْلِبُكَ فِي السَّاجِدِينَ

۱۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان نور مبارک منتقل ہوتا رہا اور سجدہ کرنے والوں کی پیشانیوں میں چمکتا رہا۔
۲۔ ان میں یکے بعد دیگرے بدلتا رہا یہاں تک کہ خیر المرسلین بن کر تشریف لائے۔ (الحدادی لفتاویٰ جلد دوم ص ۱۳۱)

تیسرا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے حبیب اکرم و رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام

کی خاطر آپ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور یہ دونوں حضرات زندہ ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے کلمہ توحید پڑھا اور اہل ایمان کی جماعت میں شامل ہو گئے کیونکہ وہ حضور کی امت جو تمام امتوں سے بہتر امت ہے میں شامل ہو جائیں نیز انہیں بھی شرف صحابیت حاصل ہو پس اس لئے انہیں فوت ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیا گیا ورنہ وہ پہلے ہی سے توحید کے قائل تھے اور شرک سے پاک تھے کیونکہ ان سے پہلے شرک کرتا ثابت نہیں۔

بہر حال اس مسلک کو بھی محدثین و دیگر علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت نے اختیار کیا ہے جن میں علامہ امام ابوحنیفہ عمر بن شاکین بغدادی، علامہ حافظ ابو بکر خطیب بغدادی، امام ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سیلابی، امام المفسرین محمد بن احمد بن ابی بکر قرطبی، علامہ محب الدین طبری، علامہ امام ناصر الدین بن المیزان، ان حضرات کی دلیل یہ ہے جسے علامہ ابن شاکین اپنی کتاب "النسخ والمنسوخ" میں اور علامہ حافظ ابو بکر خطیب بغدادی نے "السابق واللاحق" میں، امام قرطبی نے "التذکرۃ بامور الآخرہ" میں، علامہ امام جلال الدین سیوطی نے الحادی ملقاوے میں، امام محمد بن عبد الباقی نے زرقانی میں، نیز امام دارقطنی اور امام ابن عساکر دونوں نے، غرائب مالک میں ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے آپ فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ حجۃ الوداع فرمایا پھر جب ہم ایک مقام عقبۃ الحجون کے پاس سے گزرنے لگے تو میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ اقدس کو دیکھا تو آپ بہت زیادہ ٹمکیں تھے اور آنکھ مبارک سے آنسو جاری تھے کیونکہ آپ اپنی ماں کے فراق اور جدائی میں رو رہے تھے اور آپ کی حالت دیکھ کر میں برواشت نہ کر سکی اور آپ کے غم میں

رونے لگی تھوڑی دیر میں آپ سواری سے نیچے اتر گئے اور مجھے بھی نیچے اتار دیا اور مجھے اونٹ کی مہار ہاتھ میں دے کر فرمایا یا احکیم! اے اللہ تمہیں سکوت، اے حمیرا اس مہار کو تمام رکھو، میں نے حضور کے حکم کے مطابق اونٹ کی لگام تھام رکھی اور اونٹ کے ساتھ تکبیر لگا کر کھڑی ہو گئی حضور کچھ فاصلہ پر اپنی والدہ احدہ کی قبر مبارک پر، تشریف لے گئے اور کافی دیر بعد تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ بہت ہی خوش و خرم اور مسرور ہیں اور مسکرا رہے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پہلے آپ بہت غمگین اور پریشان تھے اور اب آپ بہت خوش نظر آ رہے ہیں اور مسکرا بھی رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا۔

میں اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کیلئے گیا تھا اور میں نے اللہ رب العزت سے سوال کیا کہ وہ اسے زندہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر دیا اور وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ نے انہیں موت سے بھگا کر دیا، اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے اپنے ماں باپ دونوں کے لئے رب تعالیٰ سے زندہ کر دینے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کو زندہ کر دیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لائے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں موت کی آغوش میں دے دیا۔

وَهَبْتُ لِقَبْرِ أُمِّي فَمَسَّاتُ
اللَّهُ رَجِيَّ أَنْ يُحْيِيَهَا فَأَحْيَاهَا
فَأَمْنْتُ بِحَيِّ وَرَدَّهَا اللَّهُ
وَفِي رُكَايَةِ أَنْ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
مَسَّالَ رَجِيَّةً أَنْ يُحْيِيَ أَبَوَيْهِ
فَأَحْيَاهُمَا فَأَمْنَا بِوَلَدِهِ
أَمَّا تَهُمَا.

خیال میں رہے کہ اس حدیث شریف کی تشریح آئندہ آئے گی، یہاں ایک ضروری بات کی وضاحت کر دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث پاک کو بعض علماء کرام نے موضوع (من گھڑت) کہا ہے جیسے ابوالفرج ابن جوزی وغیرہ لیکن نویں صدی کے محدثین اور امام اجل علامہ عبد الرحمن عرف جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

کُتِبَ لِي ابْنُ الْجَوَازِيِّ فِي كِتَابِهِ
الْمَوْضُوعَاتِ مَعْرُوفٌ نَصٌّ
عَلَيْهِ اَكْثَرُ الْحَدِيثِ

ابن جوزی نے اپنی کتاب الموضوعات میں غفلت سے کام لے کر جو غلطیاں کی ہیں وہ مشہور و معروف ہیں اور اس غفلت و چشم پوشی پر آئمہ حدیث نے کافی مقامات پر گرفت کی ہے۔

جیسے علامہ ابن صلاح نے جابجا اپنی کتاب "علوم مشیرہ الیہ" میں ذکر فرمایا ہے کہ ابن جوزی نے اپنی کتاب "الموضوعات" میں ایسی احادیث بیان کی ہیں جو کہ یقیناً بعض حسن بعض ضعیف اور بعض صحیح ہیں۔ لیکن اس نے ان تمام احادیث کو موضوعات (من گھڑت حدیثوں) کے زمرے میں شامل کر دیا ہے اور ان کو موضوع قرار دے دیا ہے مگر خود ابن جوزی کے پاس ان احادیث مبارکہ کے موضوع ہونے کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے یہی ابن جوزی کی بہت بڑی غفلت اور غلطی ہے، چنانچہ امام نووی نے اپنی کتاب "التقریب" میں بھی ایسا ہی تحریر فرمایا ہے اور علامہ حافظ زین الدین عراقی اپنے قصیدہ لابیہ میں فرماتے ہیں کہ ابوالفرج ابن جوزی نے اپنی کتاب "الموضوعات" میں دجو کہ تقریباً دو جلدوں میں ہے، بعض احادیث کو موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ احادیث موضوع نہیں بلکہ ضعیف ہیں اور قاضی القضاۃ امام بدر الدین محمد بن ابراہیم ابن سعد اللہ بن جماع الکسانی شافعی، متوفی ۷۳۳ھ نے اپنی کتاب "المبطل الرئی

فی الحدیث النبوی" میں لکھا ہے کہ شیخ ابوالفرج ابن جوزی نے اپنی کتاب میں بعض احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن حقیقت میں وہ احادیث ضعیف نہیں بلکہ حسن اور صحیح ہیں۔

شیخ الاسلام عمر بن ارسلان بن سراج الدین بلقنی شافعی، متوفی ۸۰۵ھ نے اپنی کتاب "محاسن الاصطلاح فی تحیین ابن صلاح" میں بمعینہ مذکورہ بالا مضمون کو ذکر فرمایا ہے۔ علامہ حافظ صلاح الدین العلامی ارشاد فرماتے ہیں کہ متاخرین علماء کرام کے لئے یہ بات نہایت ہی مشکل ہے کہ وہ کسی حدیث کے متعلق وضع (من گھڑت) کا حکم نافذ کر دیں کیونکہ کسی بھی حدیث کو مطلقاً موضوع نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع نہ کیا جائے اور اس کے متعلق کامل تحقیق و تحقیق اور مکمل چھان بین نہ کر لی جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو یمن کے زندہ کر کے کی حدیث جس متن کے ساتھ کتب احادیث میں مذکور ہے اور پھر اس حدیث پاک کے راویوں کے حالات کی تحقیق و تفتیش کثیر قرآن کے بعد اسرار الرجال کے حافظ تبحر اور ماہر عالم دین بھی نہ ہو تو پھر راویوں کے حالات کی تحقیق و تفتیش کیسے ممکن ہوگی اور چونکہ ابوالفرج ابن جوزی اس رتبہ کے علماء اعلام سے نہیں اس لئے اس سے بہت سی احادیث میں غلطیاں واقع ہوئی ہیں کہ اس نے بعض احادیث کو موضوع کہا ہے حالانکہ وہ احادیث مطلقاً موضوع نہیں بلکہ اس میں بعض احادیث ایسی ہیں جن پر ترغیب و ترہیب میں استدلال جائز ہے اور بعض احادیث تو مطلقاً صحیح ہیں اور بعض آئمہ کرام مجرم کے ساتھ صحیح قرار دیا ہے جیسے کہ صلاۃ تبلیغ کی حدیث ہے۔

علامہ محب الدین طبری فرماتے ہیں کہ صلاۃ تبلیغ کی حدیث کو ابن جوزی کا موضوعات میں شامل کرنا بہت بڑی غلطی اور نادانی ہے اور ابن جوزی کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ صحیح حدیث کو موضوعات میں شمار کرتے کیونکہ حفاظ و

محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور جیسے بعد از نماز آیۃ الکرسی پڑھنے کے متعلق حدیث ہے جس کو ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے حالانکہ اس حدیث پاک کو امام فیاضی نے صحیح سند کے ساتھ روایت فرمایا اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کی توکی کتب ایسی ہیں جن میں ابوالفتح ابن جوزی کی کتاب "موضوعات" میں کئی مقامات پر احوال احادیث کے بارے سخت گرفت کی ہے جن میں سے ایک کتاب "القول المسد فی الذب عن مسند احمد" ہے، نیز فرماتے ہیں کہ ابن جوزی نے ایک عجیب و غریب دھیرہ اپنا لیا ہے کہ بعض احادیث مبارکہ کو موضوع کہہ دیتا ہے حالانکہ وہ احادیث صحیحین میں موجود ہوتی ہیں اور یہ ابن جوزی کی سخت غفلت ہے جو وہ کر چکا ہے۔

علاوہ ازیں علامہ شامی نے اپنی سیرت میں ذکر فرمایا ہے کہ ابن جوزی کی کتاب "موضوعات" کا میں نے کافی مطالعہ کیا تو میں نے اس کتاب میں بکثرت ایسی احادیث پائی ہیں جو حقیقتاً موضوع نہیں بلکہ وہ احادیث تو سنن اربعہ صحیح مستدرک، وغیرہ کتب معتبرہ میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہیں ان احادیث میں سے بعض ضعیف ہیں اور بعض احسن اور بعض صحیح ہیں اور حضور کے والدین کریمین کے زندہ کرنے کی حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں آئمہ کرام کی بہت بڑی تعداد نے ابن جوزی کی مخالفت کی ہے جیسا کہ ابھی واضح کیا جا چکا ہے، نیز فرماتے ہیں کہ یہ حدیث فی حد ذاتہ ضعیف ہے لیکن ضعیف حدیث کی روایت کرنا فضائل و اعمال اور مناقب میں مطلقاً جائز ہے اور یہی قول معتبر و مستند ہے۔

(ملفوظ البدرین والنعمین فی تحقیق اسلام ابوسعید الکوفی)

چوتھا مسلک، خیال میں رہے یہ مذہب اہل علم حضرات میں سے صرف چند افراد کا ہے جیسے ملا علی قاری وغیرہ جس نے

بعد میں توبہ کر لی تھی، بہر حال حضور سید عالم رحمت ہم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق ان کا عقیدہ عدم نجات کا ہے اور یہ لوگ کفر کے قائل ہیں، ہم اس کتاب میں

اعتراضات اور ان کے جوابات

کے عنوان کے تحت اس فرقہ کے دلائل ذکر کر کے ساتھ ہی جوابات بھی دیں گے یہاں اتنا یاد رکھیں کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اگرچہ حضور کے والدین کریمین کے متعلق عدم نجات اور کفر کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اس عقیدہ کا ذکر کرے۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے الردض الانفس میں حدیث مسلم ذکر کرتے کے بعد فرمایا کہ ہمیں یہ حق نہیں پہنچا کہ ہم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ایسا کہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

لَا تَقُولُوا لِأَهْلِ آبَائِهِمْ
الْكُفْرَ وَالْشِرْكَ
یعنی مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا اور دکھ نہ پہنچاؤ۔

اس کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں ارشاد فرمادیا ہے
إِنَّ الَّذِينَ يُؤْخَذُونَ مِنَ اللَّهِ
رُسُلُهُمْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ
لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا
بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا، اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے دولت کا عذاب تیار کر رکھا ہے (پہ ۳۳، آیت ۵۷)

مذہب مالکیہ کے آئمہ میں سے امام قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ سے جب ایک شخص کے بارے پوچھا گیا کہ وہ کہتا ہے کہ نبی کریم رحمتہ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین (معوذ باللہ) ہم کی آگ

ہیں آپ نے فرمایا جو یہ نصیب یہ کہتا ہے۔
 فَهَوَیْكَ لِقَوْلِهِ تَعَالٰی
 اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اِلٰهَہٗ وَ
 رَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی
 الدُّنْیَا وَآٰلِ الْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ
 لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا
 پس وہ شخص لعنتی ہے کیونکہ اللہ
 تعالیٰ کا ارشاد ہے بے شک جو
 لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس
 کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت
 ہے دنیا اور آخرت میں، اور
 اللہ نے ان کے لئے دوزخ کا
 عذاب تیار کر رکھا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے رسول پاک
 کو ایذا اور دکھ پہنچا نہیں کہ آپ کے والدین کہ عین کے بارے میں
 یہ کہا جائے کہ وہ دشمنوں کا ہے۔

پانچواں مسلک یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تو قبض اختیار کیا جائے
 یعنی اس میں خاموشی اختیار کر لی جائے اور
 حضور کے والدین کہ عین کے ایمان اور عدم ایمان کے معاملے کو اللہ تعالیٰ
 کے سپرد کر دیا جائے وہی بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ تاج الدین
 فاکہانی نے اپنی کتاب "الفجر المشریق" میں فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و
 السلام کے والدین کہ عین کے حال کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر
 جانتا ہے اور علامہ الباجی نے "شرح موطا" میں لکھا ہے کہ بعض علماء
 نے کہا ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مباح فعل یا غیر مباح فعل سے
 حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا اور تکلیف پہنچائے۔ لیکن دوسرے
 لوگوں کو فعل مباح سے ایذا پہنچانا جائز ہے نہ اس کی ممانعت ہے اور
 نہ اس کا فاعل گنہ گار ہوتا ہے اگرچہ اس سے کسی دوسرے کو ایذا پہنچتی
 ہو۔ اسی بنا پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ

رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب کہ وہ الوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ
 کرنے لگے تھے۔

اِنَّمَا فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ
 وَرَآئِیْ لَا اَحَدٌ مَّا اَحَلَّ اِلٰہُ
 وَلٰکِنْ وَاِلٰہُ لَا یَجْمَعُ اَبْنُو
 رَسُولِ اِلٰہِ وَرَآئَہُ عَدُوٌّ
 اِلٰہِ عِنْدَ رَبِّ اَبَدًا

سنو! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے
 جسم کا ٹکڑا ہے اور میں اسے حرام
 قرار نہیں دیتا جیسے اللہ تعالیٰ نے
 حلال کیا ہے لیکن اللہ کی قسم، اللہ
 کے رسول کی بیٹی اور دشمن خدا کی
 بیٹی ایک شخص کے نکاح میں کبھی
 جمع نہیں ہو سکتیں۔

لہذا جس طرح یہاں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایک فعل مباح
 رضی حضرت فاطمہ کی موجودگی میں دوسرے نکاح کا ارادہ کرنا سے
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اذیت پہنچی اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ و
 السلام کو والدین کہ عین کے بارے میں بھی فعل مباح سے اذیت و تکلیف
 پہنچانا کسی کے لئے جائز نہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے حجت
 پوری ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اِلٰهَہٗ وَ
 رَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی
 الدُّنْیَا وَآٰلِ الْاٰخِرَةِ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے
 رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ
 کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں
 پس مومنین پر یہ شرط لگا دی گئی کہ وہ دوسروں کو کسی فعل کے ارتکاب
 کے بغیر صرف بہتان لگانے کی نیرت سے اذیت پہنچانا جائز نہیں لیکن حضور
 سید عالم خیر آدم و نبی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت کے ساتھ غیر مشروط
 اور پر ایذا دینا منع ہے۔

امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں کیے بن عبد الماکس بن ابی غنیہ سے

روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے عامل نوفل بن فرات نے بیان کیا ہے کہ اہل شام کے پاس ان کا ایک امان یافتہ کاتب تھا اس نے ایک ایسے آدمی کو شام کے ایک ضلع کا افسر بنا دیا جس کا باپ ایک مجوسہ عورت سے زنا کرتا تھا جب عمر بن عبد العزیز کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس شخص کو بلا کر پوچھا کہ مجھے اس امر کی جرأت کیسی ہوئی کہ تو نے مسلمانوں کے علاقہ میں ایک ضلع کا آفسر ایسے شخص کو بنا دیا ہے جس کا باپ مجوسہ عورت سے زنا کرتا ہے اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو خیر سے رکھے اس بات کی وجہ سے مجھ پر کوئی گناہ نہیں ہو گا کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بھی مشرک تھے (لَعَنَ ذَا اُمَّةٍ مِنْ ذَاكَ) جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس (خبثت) کی یہ تکلیف دہ اور اذیت ناک بات سنی تو آپ کو بہت دکھ پہنچا اور آپ نے نہایت دردناک آہ سرد کھینچی پھر تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے اور گہری سوچ میں ڈوب گئے اور پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور باہم محفل مشیروں، وزیروں وغیرہ سے فرمایا کہ کیا میں ایسے رگتاخ و لے ادب، شخص کی زبان کاٹ دوں یا اس کا ایک ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالوں یا پھر اس کی گردن ہی مار دوں پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا جب تک میں زندہ ہوں تو حکمران نہیں بن سکے گا۔

(الماوی مفتاوی جلد دوم ص ۲۳)

علامہ محب الدین طبری نے اپنی کتاب ذخائر العقبہ فی مناقب ذوی القربی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک دن حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ابواب کی پیڑی بیہ حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ لوگ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں اور مجھے طعنہ دیتے ہیں کہ تم ایک دوزخی کی بیٹی ہو جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچا زاد ہمیشہ سے یہ کلام سنا تو غضبناک

رکھ کر فرمایا۔
 مَا لَیْکَ اَقْوَامٌ یُؤْذُوْنِیْ
 فَاِنْ لَیْسَ بَیْنِیْ وَهَیْ اَذٰی
 فَاِنْ لَیْسَ فَعَلَّیْ اَذٰی اِنِّیْ وَهَیْ
 اَذٰی اِنِّیْ فَعَلَّیْ اَذٰی اُمَّةٍ
 وَهَیْ اَذٰی اُمَّةٍ فَعَلَّیْ

هَذَا

ان قوموں کا کیا حال ہے کہ جو مجھے میرے قریبنداروں کی وجہ سے اذیت دیتے ہیں جس نے میرے قریبنداروں کو اذیت دی تو اس نے یقیناً مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی تو وہ بلاشبہ تباہ ہو گیا۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور سید عالم رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صورت میں بھی اذیت دینا جائز نہیں بلکہ ہلاکت ہے۔ یہاں ذرا غور فرمائیں کہ جب چچا زاد ہمیشہ کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر دکھ پہنچا تو والدین کو یمن جو آپ کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہیں جب ان کو جنتی تسلیم نہ کیا جائے گا اور اس کے برعکس ایسی دلیلی باتیں کی جائیں گی تو انذارہ کرو جیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر دکھ اور رنج پہنچے گا اور آپ کو اذیت و رنج پہنچانا خدا تعالیٰ کو اذیت دینا ہے اور خدا تعالیٰ کو اذیت دینا آپ کو تباہ کر لے گا لہذا تم تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کے والدین کو یمن نجات یافتہ جنتی مسلمان ہیں۔

واضح رہے کہ ہم نے اب تک حضور سید عالمؐ کو محمدؐ و آدمؑ و بنی آدمؑ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے ایمان اور نجات کے بارے میں مختلف مسائل کا تعارف بیان کیا ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے ایمان کا تذکرہ اختصار کے ساتھ آگیا ہے۔

اب ہم اس بحث کو تین قسم کے دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔

۱۔ قرآن کریم سے استدلال

۲۔ احادیث مبارکہ سے استدلال

۳۔ علمائے اسلام کے اقوال سے استدلال

قرآن کریم سے استدلال

قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ لِيُخْرِجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (پل، سورہ حقہ)

اے ہمارے رب ان مسلمان عبادت میں رسول مبعوث فرما۔

مذکورہ شریف میں حدیث نبوی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں دعا کرتا ہوں اور بشارت دیتا ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ منظر

جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات تک روشن ہو گئے۔ اس حدیث میں بھی دعائے ایم سے یہی مراد ہے جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور آخر زمانہ میں حضور سیدنا ونبینا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وہم کو مبعوث فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور مسلم جماعت سے پیدا ہوا ہے لہذا صرف آپ کے والدین کریمین ہی نہیں بلکہ آپ کے تمام آباء و اہل بیت مسلم قرار پائے۔

وَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ (پل، سن، آیت ۱۲۹)

یہ شک تمہارے پاس غفلت والے رسول تشریف لائے ہیں تم میں سے بہتر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں فَا كُفِّحَ (زبر) کے ساتھ پڑھا اور فرمایا کہ میں حبیب و نسیب کے اعتبار سے تم سب میں نفیس ترین ہوں جس سے معلوم ہوا کہ آپ نفس کریمین جماعت میں پیدا ہوئے اور چونکہ کافر نفیس نہیں بلکہ نبیث ہیں لہذا آپ کے والدین کریمین بلکہ سارے آباء و اہلاد و اہل بیت اعلیٰ درجے کے مؤمن ہیں۔

وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ لِيُخْرِجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (پل، سن، آیت ۱۱۹)

اس آیت کی تفسیر میں محققین فرماتے ہیں کہ سامعین سے مراد مؤمنین ہیں۔ جیسا کہ آگے زیر عنوان علماء اسلام کے اقوال سے استدلال میں تفصیل آئے گی اور معنی یہ ہے کہ زمانہ حضرت آدمؑ و نوحؑ سے لے کر آپ کے والدین کریمین

تک مؤمنوں کی پشتوں اور رگوں میں آپ کے دورے کو رب تعالیٰ ملاحظہ فرماتا رہا ہے جس سے ثابت ہوا کہ آپ کے تمام اصول آباء و اہل بیت مؤمن ہیں۔

وَلَا مَنَّةَ إِلَّا لِلَّهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (پل، سن، آیت ۲۲۱)

اور باندی مومنہ بہتر ہے مشرک عورت سے

مذکورہ آیت کے اس حصے سے جو یہاں منقول ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ مومن غلام اور مومنہ باندی مشرک مرد اور مشرکہ عورت

سے بہتر ہیں اور اگرچہ مشرک مرد اور مشرک عورت اعلیٰ خاندان سے کیوں نہ ہوں
مگر وہ ایک مومن غلام اور مومن باندی سے کم تر ہیں، لہذا اگر معاذ اللہ آپ
کے والدین کریمین کافر و مشرک ہوں تو لازم آئے گا کہ یہ حضرات دیگر مسلمان تو
درکنار بلکہ مومن غلام اور مومن باندی سے بھی کمتر ہوں، حالانکہ آپ کے حسب
و نسب میں بیان ہو چکا ہے کہ خاندان بنو ہاشم برگزیدہ خاندان ہے اور اسی
برگزیدہ خاندان کے برگزیدہ چشم و چراغ حضرت عبداللہ ہیں اور چونکہ مشرک
برگزیدہ نہیں ہو سکتے تو معلوم ہوا کہ آپ کے والدین ہرگز مشرک نہ تھے،
بلکہ موحداور مومن تھے۔

وَاللّٰهُ اَشْفَقُ الْاَشْفٰی کَوْنِ بَحْسٍ
(پہلی آیت ۲۸)

اس آیت سے صاف طور پر روز روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ
مشرک ناپاک ہیں لہذا اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین معاذ اللہ
مشرک ہوں تو لازم آئے گا کہ وہ بھی ناپاک ہوں اور حضور موعود باللہ ناپاک
پشتوں اور لٹنوں میں جلوہ گر رہے ہوں حالانکہ یہ محض باطل ہے کیوں کہ خود
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

لَقَدْ نَزَّلَ اللّٰهُ بِقُلُوبِنَا مِنْ اَصْلَابِ
الْبَيْتَةِ اِلَى الْاَنْحَامِ الطَّاهِرَةِ
مَعْنٰی یہ ہدایت بالہ تسبیح شعبان الہ
کثرت فی خیر ہیکل خالص کری

جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے صرف والدین کریمین ہی نہیں بلکہ تمام آب و
ابہاد اور امہات طیب و طاہر اور موحداور مومن تھے۔

وَاللّٰهُ اَجْزَلُ وَاَوْسَلُ
لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَٰكِنْ الْمُنَافِقِیْنَ
لَا یَعْلَمُوْنَ (پہلی آیت ۱۶)

اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ حقیقی عزت کا مالک تو
اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ماننے والے
ایماندار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت و کرامت کی خلعت سے سرفراز
فرمایا ہے کیونکہ انسانی عزت مال و جاہ سے نہیں، رزق و برقی لباس میں
نہیں بلکہ انسان کی عزت و کرامت کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح پر
ہے لہذا تمام بنی نوع انسان میں معزز و محترم مسلمان قوم ہے۔ کفار اور
منافقین معزز و مکرم نہیں بلکہ وہ تو ذلیل و حقیر قوم ہے۔
جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَفَلَا تَرَ کَاذِبًا وَّیٰسَ اٰخِلٌ
اَبَدًا (پہلی آیت ۱۶)

وہ چپاول کی طرح ہیں بلکہ ان
سے بڑھ کر گمراہ۔
پس ثابت ہو گیا ہے کہ کفار و منافقین جانوروں سے بھی بدتر ہیں
کیونکہ جانور تو اپنے بے جھلے کو جانتے ہیں مگر کفار و منافقین نہیں جانتے
کیونکہ انہوں نے ایمان و اخلاص کی بجائے کفر و نفاق اختیار کیا ہے۔
کتا سو گندہ کر مڑا لٹا ہے لیکن کافر شرمیت میں حرام و حلال کردہ چیزوں
کو مانے بغیر بلا تمیز ہر چیز کو کھا جاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی
آیت کے تحت اثباتیوں پر سے بیان لکھا ہے کہ اس سے چند مسئلے معلوم
ہوئے، ایک یہ کہ ہر مومن عزت والا ہے کسی مسلم قوم کو ذلیل جانتا یا اسے
کمیتہ کہتا حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ مومن کی عزت ایمان و نیک اعمال سے ہے
روپے پیسے سے نہیں، تیسرے یہ کہ مومن کی عزت دائمی ہے خانی نہیں اس

لئے مومن کی نعلش اور قبر کی بھی عزت ہے جو تقایہ کہ جو مومن کو ذلیل سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہے غریب و مسکین مومن عزت والا ہے، مالدار کافر کتے سے بدتر ہے۔

(تفسیر نور العرفان)

بہر حال اس بہت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عزت و کرامت کو مسلمانوں میں منحصر فرمادیا ہے اگر کوئی ایسی قوم دار ہو لیکن ذلیل و خوار ہو جائے اور کسی لیسیم و ذلیل اور حقیر کی اولاد میں سے ہونا کسی عزیز و کریم کے لئے باعث مدح و سبب افتخار نہیں، لہذا فرمایا وادوں کے حسب و نسب پر فخر کرنا یا مقام مدح میں اپنے آپ کو انکی طرف منسوب کرنا حرام ہوا جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَنْ اَتَسَبَّ اِلَى شَعْبَةٍ اَبَاءُ كُفَّارٍ
يُرِيدُ بِهِنَّ عَذَابًا وَّكَرَامَةً كَانَتْ
عَاقِبَتُهُمْ فِي النَّارِ

(رواہ الشام احمد بن ابی و یحییٰ بن یسیر)

جہنم نیز العادی بلفظی حدیث بحوالہ حقیقی

اس تشریح سے واضح ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اباؤ اجداد موحداور مسلمان تھے کیونکہ اگر انہیں مسلمان نہ مانا جائے تو لازماً تم نے گاہ کہ وہ معزز و مکرم نہ ہوں بلکہ کافروں کی طرح ذلیل و حقیر اور بہائم سے بدتر ہوں حالانکہ آپ کے تمام خاندان جن کی پشتوں اور رجموں میں آپ منتقل ہوتے رہے ہیں اپنے زمانہ کے تمام خاندانوں سے افضل و بہتر تھے نیز اگر آپ کے ابا و اجداد موحداور مسلمان نہ ہوتے تو نہ کو رہ بالا حدیث کے پیش نظر آپ کبھی بھی اپنے ابا و اجداد کا ذکر خیر نہ فرماتے حالانکہ احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنے مناقب و فضائل کے بیان میں نیز مقام رجز و مدح میں بار بار اپنے ابا و اجداد کو ام و اہبات

کو اکرام کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ غزوہ جین میں حضرت عباس ابن عبد المطلب و حضرت ابوسفیان ابن حارث ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سواری کی لگام کو مضبوطی سے پکڑی ہوئی تھی کہ بڑھو نہ ہائے اور اس وقت حضور فرما رہے تھے۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ، اَنَا ابْنُ
عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

نیز اسی رضی میں آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ اَنَا ابْنُ الْخَوَاتِمِ
مَنْ بَنَى مُسْكِنًا، یعنی میں بنی سلیم سے ان چند خاندانوں کا بیٹا ہوں
جن کا نام عامک تھا۔

علامہ شامی صاحب تیسیر و امام محمد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس علامہ جوہری صاحب صحاح، علامہ صنعانی وغیرہم نے کہا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کو بیسیوں کا نام عامک تھا، علاوہ ازیں ابن ہری لے کہا کہ وہ بارہ بیسیاں تھیں جن کا نام عامک تھا۔

لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام مدح و ارباب فضائل میں اپنے ابا و اجداد کا ذکر خیر کرنا اس مسئلہ کی روشن ترین دلیل ہے کہ وہ سب کے سب معزز و مکرم اور موحداور مسلمان تھے۔ فالحمد للہ علیٰ خلائک

(من افککات الامام الشاہ احمد رضا علی بن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ)

اے لوگو! ایک ٹک جم کے نہیں ایکے و اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے ہمیں مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے تاکہ تم آپس میں ریکد و سرے کی پہچان رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ برتر و بزرگوار ہے۔ بے شک اللہ جلنے والی خیر و ابر ہے۔

آیت ۱۳۔

شان نزول۔ حضور سید عالم نبی مہتمم رسول معظم شفیع الانعم محمد آدم و
بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے بازار میں تشریف
لے گئے اور وہاں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک غلام یہ کہہ رہا ہے کہ جو مجھے
نزدیک سے وہ مجھے حضور کے پیچھے بچکانہ منانہ پر دھننے سے نہ روکے چنانچہ ایک
شخص نے اسے خرید لیا پھر چند دنوں بعد وہ غلام بیمار ہو گیا تو سرکار دو جہان
اس کی تیمارداری کو تشریف لے گئے پھر اس کی وفات ہو گئی تو حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے دفن میں شریک ہوئے اس پر بعض لوگوں
نے حیرانی کا اظہار کیا کہ غلام اور اس پر اتنا انعام، اس پر یہ آیت کریمہ
اتری جس میں بتلادیا گیا کہ تم سب انسانوں کی اصل حضرت آدم و حوا کی
اولاد ہو اور انہی اصل مٹی ہے تو تم سب کی اصل مٹی ہوئی پھر نسب پر
اکڑتے اور اتراتے کیوں، دراصل انسان کو مختلف قوموں، قبیلوں، اور پھر
خاندانوں میں بنانے کا مقصد صرف ایسے میں ایک دوسرے کی پہچان کے
لئے ہے نہ کہ تکبر و غرور کرنے اور غی ماری مارنے اور اترانے کے لئے۔

(ماخوذ از تفسیر نور العرفان)

تقویٰ کے فضائل و اقام۔ یاد رکھو! اللہ کے ہاں فضیلت و برتری
اور عزت و کرامت صرف تقویٰ اور
طہارت کی بنیاد پر ہے لہذا جو شخص جتنا زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوگا
وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ افضل و اعلیٰ، بہتر و برتر اور معزز و مکرم
ہوگا خواہ وہ کسی قوم، کسی قبیلے سے تعلق رکھتا ہو خواہ وہ مالدار ہو، خواہ
وہ غریب و مسکین ہو اور جتنا کم درجہ کا متقی و پرہیزگار ہوگا اسی قدر کم
درجے کا معزز و مکرم ہوگا لیکن اگر کوئی تقوٰے و پرہیزگاری سے بالکل
خالی ہوگا تو وہ اس کے کسی درجے پر فائز نہیں ہوگا لہذا وہ نہ افضل و اعلیٰ
ہوگا نہ بہتر و برتر ہوگا اور نہ ہی معزز و محترم ہوگا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں

ذلیل و حقیر ہوگا کیونکہ عزت و ذلت کا معیار تقوٰے و عدم تقوٰی سے ہے
اور اس و عوٰی پر بے شمار احادیث پیش کی جاسکتی ہیں لیکن یہاں چند
احادیث پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ اس آیت کریمہ سے جہاں اصل مقصد ہے وہ بیان
کر سکوں۔

(۱) فتح مکہ کے دن حضور نے اپنی اونٹنی تقویٰ پر سوار ہو کر طواف کیا
مسجد لوگوں سے کبھی کبھی بھری ہوئی تھی، اونٹنی کے بیٹھنے کے لئے بھی جگہ نہ
تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے بازوؤں کا سہارا لے کر اونٹنی سے اتارے
حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

و سب تحریشیں اللہ کے لئے، جس نے
تم سے عہد جاہلیت کی خامیاں دور
کر دیں اور تمہیں تکبر سے پاک کر دیا
اسے لوگو! انسانوں کے بس دو گروہ
ہیں ایک نیک متقی جو اللہ کے نزدیک
محترم ہے دوسرا بدکار بد بخت
جو اللہ کے نزدیک حقیر ہے ورنہ
سارے انسان حضرت آدم کی اولاد
ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم
کو مٹی سے پیدا کیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ
أَذْهَبَ عَنْكُمْ عِبْيَةَ الْجَاهِلِيَّةِ
وَأَعْلَنَهَا يَا أَيُّهَا النَّاسُ
تُحْبَلَانِ، رَجُلٌ يَتَّقِي اللَّهَ يُؤْتِيهِ
عَلَى أَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى وَرَجُلٌ فَاجِدٌ
تُشَقَّى هَذَيْنِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى
النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ وَخَلَقَ
اللَّهُ آدَمَ مِن تِلْكَ يَابِ

و بیٹھی شعب الثہانہ، ترمذی

(۲) حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد
فرماتے ہوئے فرمایا۔

لے لوگو! تمہارا رب ایک ہے کسی
عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں
کسی کالے کو کسی گورے پر اور نہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ الْإِلَٰهَ إِلَهُكُمْ
وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى
عَجَبِيٍّ وَلَا لِعَجَبِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ

وَلَا تَسْأَلُوهُ عَلَىٰ أَخْبَرٍ وَكَانَ
رَجْمُهُ عَلَىٰ أَصْحَابِ الْغَنَىٰ
إِنَّ اللَّهَ لَمَعَ عِنْدَ اللَّهِ أَنْفَكَ
أَهْلٌ بَلَّغَتْ قَالُوا بَلَىٰ
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَلْيَبْلُغْ
الشَّاهِدُ الْخَائِبُ

(بیہقی شریف)

گورے کو کسی کالے پر برتری حاصل
ہے بجز تقویٰ کے، اللہ تعالیٰ کے
نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ
ہے جو زیادہ متقی ہوگا۔ لوگو! کیا
میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا؟ سب
نے یک زبان ہو کر کہا یا رسول اللہ
جے شک آپ نے پہنچا دیا ہے۔
آپ نے فرمایا جو یہاں موجود
ہے وہ یہ حکم ان لوگوں تک پہنچا
دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

(۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔
إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْأَلُكُمْ عَنْ
أَحْسَابِكُمْ وَلَا عَنْ
أَنْسَابِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
إِنَّ اللَّهَ سَأَلَ عَنِ الْقِيَامَةِ
أَتَقَامُ
(تفسیر ابن جریر)

۴۴ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا
گیا کہ سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے
زیادہ پرہیزگار ہوگا۔ لوگوں نے کہا ہم یہ بات نہیں پوچھتے، آپ نے فرمایا
پھر سب سے زیادہ پرہیزگار حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود

نوٹ۔ یہ تینوں حدیثیں بمعہ ترجمہ تفسیر ضیاء القرآن سے مانعوف ہیں۔

ن تھے نبی زاوے تھے، دادا بھی نبی تھا، پردادا تو خلیل اللہ تھے، انہوں
نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے، آپ نے فرمایا پھر عرب کے بارے میں پوچھتے
ہو؟ سنو! ان کے جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں ممتاز تھے وہی اب
اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں جبکہ وہ علم دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔

۵۱ امام احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوذر
سہمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا خیال رکھ تو سرخ دیباہ پر کوئی فضیلت
میں رکھتا یہاں تقوٰے و پرہیزگاری میں بڑھتا تو فضیلت والا ہے۔
(۸) طبرانی میں ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں کسی کو کسی
کوئی فضیلت نہیں مگر تقوٰے کے ساتھ۔

۵۲ امام احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف
لے رہے تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا، یا رسول اللہ! سب سے بہتر کون ہے
آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ ایمان نواز، سب سے زیادہ پرہیزگار
سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا، سب سے زیادہ بری بات
کو روکنے والا، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے۔

(۸) امام احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا کی
کوئی چیز یا کوئی شخص بھلا نہیں لگتا تھا، بجز متقی و پرہیزگار کے۔

(ماخوذ از تفسیر ابن کثیر)

خیال رہے کہ تقویٰ کی تین قسمیں ہیں۔
(۱) اونے تقوٰے یا عوام کا تقوٰے، تقوٰے کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ
شرک و کفر سے بچنا یعنی مسلمان ہو جانا یہ عوام کا تقوٰے ہے کہ سب
مسلمان اس معنی میں متقی اور پرہیزگار ہیں۔

(۲) خواص کا تقوٰے۔ تقوٰے کا دوسرا درجہ ہے کہ اوامر (یعنی جن
کاموں کے کرنے کا حکم ہے) بجالانا اور نواہی (یعنی جن کاموں سے روکا

گیا ہے، سے بچنا یعنی شریعت محمدیہ کے مطابق زندگی گزارنا ہے خواص کا تقویٰ اس معنی میں صرف باعمل، بلند کردار، نیکوکار مسلمان اور اولیائے کرام متقی ہیں (iii) انھیں ان خواص کا تقویٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر اس چیز سے بچنا اور ہر اس چیز کو چھوڑ دینا جو عبد اور معبود حقیقی کے مابین ربط اور تعلق میں حائل ہو اور دنیاوی چیزوں سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ رہنا کہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی یاد میں اس کے ذکر و فکر اور اس کے تصور میں متغرق و منہمک رہنا جائے اسی مقام کی نسبت سے یہ کہا جاتا ہے کہ جو دم غافل سو دم کافر۔

یہ تقویٰ کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس پر انبیائے کرام اور رسل عظام اور خصوصاً حضور خاتم الانبیاء حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہیں کیونکہ آپ تو حالت نیند میں بھی یاد خدا میں مصروف رہتے، آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا کیونکہ وہ رب تعالیٰ کی یاد میں بیدار رہتا ہے۔

ادنافضات استاد الامام حضرت علامہ ابو الوفا غلام رسول السجیدی
شامد مجھ مسلم شریف و شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی

بیت قفس صاوی جلد اول صفحہ

واضح ہو کہ مذکورہ بالا تقریر سے دو نکتے ثابت ہو گئے۔

۱۔ یہ کہ فضیلت و برتری اور عزت و کرامت تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے
۲۔ تقویٰ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ شرک و کفر ترک کر کے مسلمان ہونا
اب اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء و اہل بیت خصوصاً والدین کرمین موصدا و مسلمان نہ ہوں تو لازم آئے گا کہ پھر وہ افضل و اعلیٰ بہتر و برتر اور معزز و مکرم نہ ہوں حالانکہ یہ احادیث کثیرہ صحیحہ کے خلاف ہے جن میں آپ کے صفات اور واضح الفاظ میں فرما دیا ہے کہ میرا تمام خاندان

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل و اعلیٰ اور بہتر و برتر تھے لہذا یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ آپ اپنے خاندان میں جس جس مرد و زن میں جلوہ گر رہے ہیں وہ سب کے سب مسند و مومن تھے کیونکہ کافر و مشرک تو تمام مسلمانوں سے ادنیٰ اور خسیس ترین قوم ہے۔

بہر حال تفصیل تو آگے زیر عنوان "احادیث سے استدلال" میں آئے گی یہاں تبرک حاصل کرنے کے لئے صرف ایک حدیث مبارکہ پیش کرتا ہوں
صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا۔

لَحِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُلُوبٍ
نَبِيٍّ أَوْ مَرَقَةٍ نَا فَهَقَرْنَا
حَتَّى كُنْتُ مِنْ الْقَدَرِ
الَّذِي كُنْتُ مِنْهُ

میں نسل آدم میں ہر زمانے کے بہترین
لوگوں میں منتقل ہوتا رہا ہوں یہاں
نیک کہ جس زمانہ میں میں اب ہوں
اس زمانے کے بہترین لوگوں میں
مجھے بھیجا گیا۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ کے آباء و اجداد صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیزگار مسلمان تھے کیونکہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں تب شامل ہوں گے جب وہ مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ باعمل، بلند کردار، نیکو و صالح سیرت کے حامل متقی و پرہیزگار ہوں اور چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آباء و اہل بیت کو بہترین لوگوں میں قرار دیا ہے تو ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آباء و اجداد اور اہل بیت و جدات باعمل صالح اور پرہیزگار مسلمان تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ
الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِىْ نَارٍ
لے شک جتنے کافر ہیں کتابی اور
مشرک سب جہنم کی آگ میں

جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ
هُمْ شَرُّ الْبَرِّ كَيْدًا (آیت ۵)

ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے وہی
تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔

اس مذکورہ بالا آیت کے بعد میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کافر خواہ یہود
و نصاریٰ ہوں یا مشرکین عرب و عجم ہوں وہ بدترین مخلوق ہیں۔
علامہ قاضی محمد شہار الدہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں اس آیت
کے معنی صریحاً شریعت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اِنَّ شَرَّ الْخَلَائِقِ
اجْمَعِينَ حتی الکلاب والخنازیر یعنی کفار و مشرکین تمام مخلوقات
سے انسانوں، جنوں، پرندوں، چرندوں، درندوں، کیڑوں، درختوں،
پتھروں یہاں تک کہ کتوں اور خنزیروں سے بھی بدتر ہیں۔

(تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۳۱۹)

اب اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آیا و امہات خصوصاً والدین
کریمین کو مسلمان نہ مانا جائے اور انہیں کافر کہا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ
بدترین مخلوق ہوں حالانکہ یہ عقیدہ احادیث کے خلاف ہے۔

صحیح بخاری شریف کی صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کا نانا
اپنے ہر زمانے میں بہترین مخلوق رہا ہے نیز اسی صحیح بخاری شریف میں ہے
کہ جب قیصر روم نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ حضور کا حسب و نسب
کیسا ہے تو ابوسفیان (جو اس وقت کافر تھا) نے جواب دیا تھا کہ حضور کا
خاندان عرب کے اعلیٰ ترین نسب سے تعلق رکھتا ہے اس کے جواب میں
قیصر روم نے جواب دیا تھا کہ پیغمبر ہمیشہ اچھے اور شریف خاندان میں ہی
تشریف لاتے ہیں۔

۱۹) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ اُولَئِكَ هُم خَيْرُ الْبَرِّ (آیت ۵)

(پ ۳۰، س ۹۸، آیت ۵)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور
اچھے کام کئے وہی مخلوق سے
بہتر ہیں۔

اس آیت کے بعد سے معلوم ہوا کہ ایماندار اور نیک سیرت انسان
مخلوق سے بہتر ہیں چنانچہ علامہ قاضی محمد شہار الدہ حنفی پانی پتی رحمۃ اللہ
اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ ایماندار اور نیک سیرت مسلمان
مخلوق سے بہتر ہیں حتیٰ کہ معصوم فرشتوں سے بھی بہتر ہیں۔

اور یہیں سے علمائے اسلام نے
کہا کہ خواص بشر جیسے انبیاء کریم،
خواص ملائکہ جیسے جبرائیل، میکائیل
اسرافیل، عزرائیل، سے افضل ہیں
اور عوام بشر یعنی دلوں کے صاف
اور نفوس کے پاک، نیک سیرت
مومنین عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔

۲۰) عَلَّمَنَا قَالُوا اِنَّ خَوَاصَّ

اَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ

مَلَائِكَةٍ وَعَوَامُّ الْبَشَرِ اَعْلَىٰ

مَنْ الصَّالِحِينَ اَرْبَابُ

سَبَبِ الصَّافِيَةِ النَّفُوسِ

الْبَدَا اَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ

مَلَائِكَةٍ (تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۳۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا۔
اے لوگو! کیا تم اللہ تعالیٰ کی طرف
سے فرشتوں کے مرتبہ پر شک
کرتے ہو اور (سنو) قسم ہے اس
ذات اقدس کی جس کے دست
قدرت میں میری جان ہے قیامت
کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک
بلاشبہ بندہ مومن کی شان اس
سے بڑھ کر ہوگی۔

(تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۳۱۹)

بہر حال مومن کافر سے بدرجہا بہتر ہے لہذا اگر معاذ اللہ حضور پر نور
صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو مسلمان نہ مانا جائے تو لازم آئے گا

کہ حضور کے والدین کریمین ایک عام مومن سے بھی کم تر ہوں حالانکہ
احادیث نبویہ کے خلاف ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے بہترین خلائق
یعنی صحابہ کرام کے سامنے انہیں مخاطب کر کے فرمایا میں حدیث و نسب
اور ذاتی شرافت کے لحاظ سے تم سب سے بہتر ہوں چنانچہ بیعتی شریف
کی روایت میں ہے کہ آپ کے فرمایا میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب
بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی
بن غالب بن فہر بن مالک بن نصر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس
بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہوں اور یاد رکھو کہ

بھی لوگوں کے دو گروہ نہیں
ہوئے مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ
نے بہترین گروہ میں رکھا
پس یہی وجہ ہے کہ میں اپنے
باپ سے ایسا پیدا ہوا ہوں کہ
زمانہ جاہلیت کی کوئی چیز جیسے
دکھ و شرک، زنا، بدکاری،

تک نہیں پہنچی اور میں خالص
صحیح نکاح سے پیدا ہوا ہوں

اور یہ سلسلہ کہ زمانہ جاہلیت کی رسوم سے پاک اور خالص و صحیح نکاح
سے پیدا ہونے کا طریقہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے اپنے
والدین تک برابر جاری رہا لہذا میں اپنی ذات، شرافت و عظمت
لحاظ سے تم سب سے افضل و اعلیٰ ہوں اور میں اپنے باپ و دادا کی
نسبت سے بھی تم سب کے باپ و دادا کی نسبت سے میں بہتر و برتر
اور دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ نے فرمایا

مَا فَتَرَ قَالِدًا سَوِيًّا قَبْلِي إِلَّا
جَعَلَنِي اللَّهُ فِي خَيْرٍ مِّمَّا فَتَرْتُ
مِنَ الْبَشَرِ فَلَمْ يُصْنِئْ شَيْئًا
مِنْ عَمَلِ الْعِبَادِ يَكُونُ وَاحِدًا
مِنْ ذِكْرِهِمْ وَكَمْ أُخْرِجَ مِنْ
لَدُنِّي أَوَّلًا حَتَّى اسْتَهْنَيْتُ إِلَى
أَكْبَرِي وَأَخْبَرْتُ فَلَمَّا خَيْرَ كُمْ نَفْسًا
وَحَيْرَ كُمْ أَبَا وَرَبِّي لَعَنَ قَالِدًا خَيْرَ كُمْ
نَسَبًا وَخَيْرَ كُمْ أَبَا (یعنی شریف)

سب و نسب اور خاندان کے لحاظ سے بھی تم سب سے بہتر ہوں
اپنے باپ و دادا کے لحاظ سے تم سب سے بہتر ہوں۔

اس حدیث شریفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب
سے پہلے تو عام نفی فرمادی کہ زمانہ جاہلیت کی کسی چیز نے (خواہ شرک
یا باور کوئی برائی) میرے نسب اقدس میں کبھی کوئی راہ نہیں پائی
بلکہ خود اس بات کے لئے کافی ہے کہ آپ کے آباؤ اعمہات کفر و
شرک اور ہر قسم کی برائی سے پاک رہی ہیں باقی امر جاہلیت کو صرف
اس کے ساتھ مخصوص کرتا ایک تو شخص بلا تخصیص ہے (جو کہ باطل ہے)
دوسرا یہ کہ یہ تخصیص تو ہے کیونکہ آپ نے اپنے اس فرمان سے کہ

مِنْ ذِكْرِهِمْ وَكَمْ أُخْرِجَ مِنْ
لَدُنِّي أَوَّلًا حَتَّى اسْتَهْنَيْتُ إِلَى
أَكْبَرِي وَأَخْبَرْتُ فَلَمَّا خَيْرَ كُمْ
نَفْسًا وَحَيْرَ كُمْ أَبَا وَرَبِّي
لَعَنَ قَالِدًا خَيْرَ كُمْ نَسَبًا
وَحَيْرَ كُمْ أَبَا (یعنی شریف)

ما خود از شمول الاسلام لاصول الرسول اکرام
اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں
اپنی رسالت کو رکھتا ہے

پ ۸، سورۃ ۱۱۰ آیت ۱۲۳
اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خاں بریلوی
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن ترین دلیل ہے
کہ اللہ تعالیٰ نبوت و رسالت کے لئے سب سے زیادہ معزز و محترم محل کا
انتخاب فرماتا ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی کم قوموں، رزلیوں میں رسالت و نبوت

کو کہیں نہیں رکھا گیا۔ پھر کفر و شرک سے زیادہ ردیل و ذلیل کیا چنانچہ
لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے بلکہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نور رسالت کو
اس میں ودیعت رکھے کیونکہ کفار و مشرکین، قہر و غضب اور لعنت
ذلت کا محل ہیں جبکہ نور رسالت رکھنے کے لئے رضا و رحمت کا محل
ور کا ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ عقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
پر ایک بار غوف و خجست کا غلبہ تھا اور آپ گریہ و زاری فرما رہی
تھیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا ام المومنین
کیا آپ یہ گمان رکھتی ہیں کہ اللہ رب العزت نے جہنم کی ایک چنگاری
کو اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوڑا دی ہوئی، بنایا ہے حضرت
ام المومنین نے فرمایا فَتَجِدْتِیْ فَرَجًا اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ یعنی تم نے میرا غم دور
کیا ہے اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کرے بلکہ خود حدیث شریف میں بھی ہے
جس کو حضرت عبداللہ ابن ابی ہارہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ سرکار
دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اَبْنٰی لِیْ اَنْ اَتَزَوَّجَ
الْاَوَّلٰی الْجَنَّةَ

(ابن عساکر)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے
نہانا کہ میں نکاح میں لانے کا سوا
کردوں مگر اہل جنت سے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح
میں جہنمی عورتوں کو پسند نہیں فرمایا تو خود حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا نور مبارک محل کفر میں رکھنے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم قدس
کفار کے خون سے بنانے کو کیسے پسند فرماتا، ہرگز نہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَا تُطَيِّبْ لَیْسَ لَکَ رُبَّکَ

فَتَرَضٰی

(پہتا، س ۹۲، آیت ۵)

(شمول الاسلام)

بے شک عترتِ پیغمبرِ مبارک رب تمہیں اتنا
عطا کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اعزازِ مصطفیٰ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے
روایت ہے کہ جو خزانے حضور علیہ الصلوٰۃ و
السلام کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ پر
آ کر گر دیئے گئے تو آپ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس
پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری بحوالہ حاکم، بیہقی، طبرانی

حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

اِذْنِیْ لَا اَرْضٰی وَ اِحْدَقْ
اَمْرِیْ فِی النَّارِ

جب تک میرا ایک امتی بھی جہنم
میں رہے گا میں راضی نہ ہوں گا۔

(تفسیر کبیر جلد ۱، تفسیر مظہری جلد ۱۱، تفسیر خزان العرفان)

تفسیر مدارک التنزیل جلد ۴، تفسیر جلالین

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے یہاں حضرت امام محمد باقر
علیہ السلام سے ایک روایت کی ہے۔

عرب بن شرح کہتے ہیں کہ میں نے امام مذکور سے پوچھا کہ جس
شفاعت کا ذکر اہل عراق کیا کرتے تھے کیا یہ حق ہے، آپ نے فرمایا

بخدا حق ہے، مجھ سے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی
مرتضیٰ کے رحم اللہ وجہ سے روایت بیان کی۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمُ
حَقٌّ یُّنَادِیْ رَبِّیْ اَرْضِیْتَ

یہاں تک کہ میرا رب مجھے پکار کر
پوچھے گا اے محمد! کیا آپ راضی

ہوں گے کہ میں تمہیں اتنا عطا کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمُ
حَقٌّ یُّنَادِیْ رَبِّیْ اَرْضِیْتَ

یہاں تک کہ میرا رب مجھے پکار کر
پوچھے گا اے محمد! کیا آپ راضی

ہوں گے کہ میں تمہیں اتنا عطا کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

ہو گئے ہیں عرض کروں گا ہاں میرے

پروردگار میں راضی ہو گیا۔

اس کے بعد امام باقر نے اس شخص سے کہا کہ اسے اہل عراق تم یہ کہتے ہو کہ قرآن کریم کی سب سے امید افزا یہ آیت مبارکہ ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا اَعْلَىٰ
الْفُسْهُمُ لَا تَقْضُوا مِنْ رَحْمَةِ
اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ
(آیت ۳۹، ۴۰)

لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ کتاب الہی میں سب سے زیادہ امید افزا یہ آیت ہے۔

وَكَسُوْفٌ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

تفسیر ضیاء القرآن بحوالہ تفسیر روح المعانی، تفسیر مظہری جلد دہم، تفسیر کبیرا
جلد ہفتم، مختصر تفسیر خازن جلد چہارم حصہ ثانی،

امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم شریف میں یہ حدیث شریف نقل کی ہے
عَنْ اَبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ
تَعَالٰی فِی الْبَرَاءَةِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
فَمَنْ يَتَعَبَّ فَاِنَّهٗ مُتَّيٌّ وَقَوْلُهٗ
تَعَالٰی فِی عِيسٰی اِنْ تَعَدَّ لَهُمْ
فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ الْاٰتِیَةِ، فَمَنْ
عَلَيْهِ السَّلَامُ مَكَانِهٖ وَ
قَالَ اللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ وَ
مَلَکِیْ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یَا

حَبْرٍ اِلٰی اِذْهَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ
صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ وَقُلْ لَّهٗ اَنَا
سَرَضْنِکَ فِیْ اُمَّتِکَ
وَلَا تَسُوْءُکَ

(تفسیر ضیاء القرآن)

بحوالہ صحیح مسلم شریف،

تفسیر خازن العرفان

تفسیر مظہری جلد دہم)

انہیں عذاب دے تو وہ تیرے
بندے ہیں، پھر آپ نے اپنے
دونوں مبارک ہاتھوں کو دعا کے
لئے اٹھایا اور عرض کی الہی میری
امت میری امت پھر حضور اکرم
زار و قطار رونے لگے اللہ تعالیٰ
نے حبرائیل کو حکم دیا کہ فوراً میرے
جبیب کے پاس جاؤ اور اسے جا کر یہ
پیغام پہنچا کہ ہم آپ کو اپنی امت
کے معاملہ میں راضی کریں گے اور کسی
آپ کو پریشان نہیں کریں گے۔

اس آیت مبارکہ کے تحت حضرت قبلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ صاف دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی
کرے گا جس میں رسول کریم راضی ہوں اور احادیث شفاعت سے
ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اس میں ہے کہ
سب گناہ گاران امت بخش دیئے جائیں تو آیت واحادیث سے قطعی
طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور کی شفاعت مقبول اور حسب مرضی مبارک
گناہ گاران امت بخشے جائیں گے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ کیا رتبہ علیا ہے کہ جس پروردگار کو راضی کرنے
مے لئے تمام مقربین تکلیفیں برداشت کرتے اور غنیمتیں اٹھاتے ہیں وہ
کریم و رحیم خدا اپنے جبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے
لئے عطائے عام کرتا ہے۔

(تفسیر خازن العرفان)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے جدِ امجد
سرمکار بنینہ سرور قلب و سینہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کی رضا اسی بات میں ہے کہ کوئی کلمہ گواہی توحیدِ جہنم کی
آگ میں نہ جائے۔

(تفسیر کبیر جلد ہشتم)

خیال رہے کہ اس آیت مبارکہ سے حضور سید عالم نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کا اکرام و اعزاز اور آپ کی رضا و محبوبیت یہاں تک
ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ کی عزت و جاہلیت
اور رضا و محبوبیت کی خاطر آپ کی شفاعت کی برکت سے تمام
گناہ گارانِ امت کو بخش دے گا تو کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
اکرام و اعزاز اور وجاہت و محبوبیت کا یہی تقاضا ہے کہ آپ
کے نافرمان گناہ گارانِ امتی توجرت میں انعاماتِ الہیہ سے لطف اندوز
ہوں اور اکرام و سکون سے رہیں اور حضور سید الانبیاء محبوبِ خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کے اپنے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ جن کے
مقدس خون سے آپ کے جسم اطہر کی پرورش ہوئی وہ نعوذ باللہ
کفر کی موت ہرگز جہنم کی آگ کے شعلوں کی نذر ہوں، واللہ، باللہ
ثم قال اللہ، بخدا ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا، البتہ ایسا عقیدہ رکھنے والا
بیخبر تو پرمرنے پر جہنم کی آگ کے شعلوں کی نذر ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکرام و احترام
اور اعزاز و اجلال کا ثمرہ ہے کہ آپ کے آباؤ اعمہات میں سے کسی کے
بارے میں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے شرک و کفر ثابت نہیں بلکہ
آپ کے اعزاز و اجلال، عظمت و رفعت اور محبوبیت کی خاطر
اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعض قرابت دار کافروں کے عذاب میں بھی

خفیف کر دی جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں ہے۔

(۱۱) عَنْ الْعَبَّاسِ ابْنِ
عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ قَالَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ نَفَعَتْ
أَبَا طَالِبٍ لِبَنِي فَاتِمَةَ كَانَ
يَحْوِطُكَ وَيَغْضِبُكَ
قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَعَنَهُ هُوَ فِي خَصْخَصَةٍ
مِنْ نَارٍ وَلَوْ أَنَّكَ كُنْتَ
مِنْ النَّارِ لَأَسْفَلَ مِنْ
النَّارِ

حضرت عباس بن عبد المطلب
رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں
نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے
پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ
ابو طالب کو بھی کوئی نفع پہنچایا
ہے کیونکہ وہ آپ کی حفاظت کرتا
تھا اور آپکی وجہ سے لوگوں پر
غضبناک ہوتا تھا حضور نے
جواب میں فرمایا، ہاں، اب وہ
جہنم کے صرف بالائی طبقہ میں ہے
اور اگر میری شفاعت سے اس
کو نفع نہ پہنچا تو وہ جہنم کے سب
سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ
الْحَارِثِ قَالَ سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ
يَقُولُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ
إِنَّ أَبَا طَالِبٍ كَانَ يَحْوِطُكَ
وَيَغْضِبُكَ وَيَغْضِبُكَ
فَعَلَّ لَعْنَهُ وَإِيَّاكَ قَالَ
لَعَنَهُ وَحَبْرَتُهُ رَجُلٌ
مَعْلُومٌ مِمَّنْ النَّارِ

حضرت عبد اللہ ابن حارث کہتے
ہیں کہ میں نے حضرت عباس سے
سنا انہوں نے کہا کہ میں نے حضور
سے عرض کیا یا رسول اللہ ابو طالب
آپ کی حفاظت کرتا تھا، آپکی مدد
کرتا تھا، آپکی خاطر لوگوں سے غصہ کرتا
تھا کیا ان اعمال نے اس کو کچھ
نفع پہنچایا، آپ نے فرمایا، ہاں

فَاُخْرِجْتُمْ اِلَى صُحُفٍ

میں نے اس کو آگ کی گہرائی میں
پایا تو میں نے اس کو آگ کے
پچھے والے طبقہ سے نکال کر اوپر کے
طبقہ میں کر دیا۔

عَنْ اَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ
اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ عَذَابَهُ
عَذَابُ الْبُوطَالِبِ فَقَالَ
لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي
يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلَ فِي
صُحُفٍ مِّنَ النَّارِ يُبْلَغُ
كَعْبِهِ يَغْلِي مِنْهُ دَمًا

حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے
ہیں کہ حضور کے سامنے ان کے چچا
الوطالب کا تذکرہ ہوا آپ نے فرمایا
قیامت کے دن بھی میری شفاعت
سے اس کو فائدہ پہنچے گا چنانچہ اس
کو دوزخ کے سب سے بالائی طبقہ
میں لایا جائے گا جہاں آگ صرف
اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس کی
شدت سے اس کا دماغ کھول
رہا ہوگا۔

حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے
ہیں کہ حضور نے فرمایا جہنمیوں میں
سب سے کم عذاب الوطالب کا ہو
گا اسے آگ کی دو جوتیاں پہنائی
جائیں گی جن کی گرمی کی وجہ سے اس
کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

عَنْ اَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ
اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ
اَذْنِي اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا
يَسْتَعْلَبُ بَعْضُهُنَّ مِنْ نَّارٍ يَغْلِي
مِنْ حَوْلِهَا وَيَغْلِي

اِنَّ اَبِي عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
اَهْلُ النَّارِ عَذَابًا
اَبُو طَالِبٍ وَهُوَ مُتَّجِلٌ
بِغُلَيْنٍ يَغْلِي مِنْ حَوْلِهَا

حضرت ابن عباس سے روایت ہے
کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جہنمیوں میں سب سے کم عذاب
الوطالب کو ہوگا اس کو آگ کی
جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے
اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

ان احادیث مبارکہ سے ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ الوطالب کے عذاب
میں کمی کر دی گئی دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ یہ تخفیف عذاب قیامت کے
بعد بھی حضور کی شفاعت کی برکت سے قائم رہے گی اور صرف ٹخنوں
تک عذاب ہوگا۔ تیسرا یہ کہ جہنمیوں میں سب سے کم عذاب الوطالب
کا ہوگا۔

اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ الوطالب کے عذاب میں تخفیف کس
وجہ سے ہوگی۔ یا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و
معاشرت اخلاص و تربیت اور غمخواری و پاسداری کے صلہ میں بطور
جزائے خیر ہوئی یا پھر قرابت و رشتہ داری کی بنا پر ہوئی جیسے حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

عَمَّا الرَّحْلِ صَنُوقِ ابْنِهِ
دترمذی شریف، طبرانی کبیر
آدمی کا چچا اس کے باپ کے
قائم مقام ہوتا ہے۔
پہلی صورت تو باطل ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم
میں اعلان کر دیا ہے۔

وَقَدْ قُدُّمْنَا اِلَى مَا عَمَلُوا
عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا
اور ہم متوجہ ہونگے ان (کافروں)
کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد و
دھار بنا کر اڑا دیں گے (برابر کر دیں گے)

(پہلے، ۲۵، ۲۶، آیت ۲۳)

اس نسبت کریمہ سے ثابت ہوا کہ کافروں کے فلاحی اعمال انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دیں گے، لہذا دوسری صورت ہی صحیح ہے اور احادیث مذکورہ سے یہی ثابت ہوتا ہے پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر ابو طالب کے عذاب میں کمی خدمت پرورش کے صلہ میں ہوتی تو پہلے ہی حاصل ہو جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے ابو طالب کو جہنم کی آگ میں سرایا غرق پایا تو اسے سختوں تک کی آگ میں کھینچ لایا۔ اگر میں نہ ہوتا تو ابو طالب جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔

لاحالہ یہ کمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قرابت کے باعث ہوئی تاکہ سب پر حضور کا اکرام و احترام اور اعزاز ظاہر ہو جائے کہ سب کی قرابتیں اور رشتہ داریاں ختم ہو جائیں گی لیکن سرکارِ مدینہ سرور قلب و سینہ سے قرابت آپ کے اہل ایمان رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ کافر رشتہ داروں کے عذاب میں بھی تخفیف کا باعث بن گئی۔ نیز ابو طالب کے حق میں قیامت کے دن حضور کی قرابت عذاب میں کمی کا باعث بنے گی جیسا کہ صحیح مسلم شریف کی مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں سے تیسری حدیث شریف میں ثابت ہو چکا ہے بہر حال چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو رشتہ قرابت آپ کے والدین کریمین کو حاصل ہے وہ ابو طالب کو حاصل نہیں۔

اگر عاذا اللہ والدین جنتی نہ ہوتے کافر اور جہنمی ہوتے تو ابو طالب کی نسبت عذاب میں تخفیف اور کمی کے وہ زیادہ مستحق ہوتے کہ والدین کا رشتہ قرابت چچا وغیرہ سے زیادہ ہوتا ہے پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو والدین کریمین کے عذاب سے جو دکھ اور رنج ہو سکتا ہے وہ ابو طالب کے عذاب سے نہیں یونہی والدین

کریمین کے عذاب میں کمی سے جو راحت و سکون حضور کو حاصل ہو سکتا ہے وہ ابو طالب کے عذاب میں تخفیف سے نہیں ہو سکتا لہذا ایسی صورت میں سب سے ہلکا عذاب انہیں کا ہوتا۔ حالانکہ حدیث پاک میں ہے کہ جہنمیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب کا ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ والدین کریمین جنتی اور مسلمان تھے اس لئے احادیث مبارکہ میں ان کے متعلق عذاب میں تخفیف کا ذکر نہیں آیا۔ جب کہ ابو طالب کافر اور جہنمی تھا اس لئے اس کے متعلق احادیث مبارکہ میں عذاب میں تخفیف کا ذکر کیا ہے۔ نیز اگر پہلی صورت فرض کر لی جائے کہ ابو طالب کے عذاب میں کمی خدمت پرورش کی وجہ سے ہوئی تو پھر کون سی پرورش خدمت کے برابر ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد والدین کا چہرہ اور حصہ ہوتی ہے اور کونسی خدمت محل اور وضع محل کا مقابلہ کر سکتی ہے کیا کسی پرورش کنندہ یا خدمت گزار کا حق والدین کے حق کے برابر ہو سکتا ہے جس کے حق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا۔

اِنِّ اشْكُرْ لِي وَلَوْلَا ذِيكَ | میرا شکر ادا کر دو اور اپنے والدین کا پھر ابو طالب جہاں برسول خدمت کی چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار کلمہ پھینکے لئے فرماتے رہے لیکن اس نے کلمہ نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا۔ جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں، عمر بھر معجزات دیکھے، حضور کی سیرت اور تمام احوال کو تازہ بہ تازہ دیکھتا رہا پھر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار کے باوجود ایمان نہیں لایا۔

اس کے برخلاف والدین کریمین نے نہ زمانہ نبوت پایا نہ انکو دعوت اسلام دی گئی نہ انہوں نے انکار کیا۔ ثابت ہوا کہ ہر لحاظ سے

ان کا پہلا بھائی ہے لہذا اگر معاذ اللہ والدین کریمین کافر ہوتے، اور خدمت و پرورش کی وجہ سے عذاب کم ہوتا تو سب سے کم عذاب والدین کریمین کا ہوتا۔ حالانکہ یہ بات اس حدیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اس حدیث صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سب جہنمیوں میں سب سے کم عذاب ابو طالب کا ہو گا۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضور کے والدین کریمین مومن اور مسلمان تھے۔

(ماخوذ از شمول الاسلام)

یہاں تک تو بات تھی ابو طالب کے عذاب میں کمی کی جو زندگی بھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہے اور کفار کے شدید دباؤ کے باوجود آپ کی مساوت اور حفاظت کرتے رہے رکاشوں کے مسلمان ہو جاتے، لیکن ابو لہب جس کا کفر قطعی اور یقینی ہے جس نے زندگی بھر دین اسلام کی مخالفت کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں کیں، مگر حضور کا اکرام و اعزاز دیکھیے کہ ابو لہب جسے قطعی کافر کے عذاب میں بھی تخفیف کر دی گئی کیونکہ اس نے اسلام کی مخالفت سے بہت پہلے اعلان نبوت سے بھی چالیس سال پہلے یعنی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے پُر مشرق موقع پر جب اسے اس کی لونڈی ثویبہ یا ثویبہ (تے حضور کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنائی تو ابو لہب نے اسے آزاد کر دیا پھر زندگی بھر اسلام کی مخالفت کے باوجود جب وہ مر گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیسی گزر رہی ہے۔ اس نے کہا کہ بہت بری حالت میں عذاب میں مبتلا ہوں البتہ میرے دن میری ان انگلیوں سے پانی نکلتا ہے وہ میں چرتا ہوں جس سے مجھے کوئی اور راحت ملتی ہے اور میرے عذاب میں کمی آ جاتی ہے کیونکہ میں

سور کی ولادت باسعادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ہے۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں ثویبہ ابو لہب کی باندھی تھی جسے اس نے حضور کی پیدائش کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ اس نے حضور کو دو دھڑھی پلایا۔ ابو لہب کے مرنے کے بعد اس کے بعض اہل و حضرت عباس نے اسے بہت بری حالت میں خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا کیا رہا ہے ابو لہب نے کہا کہ تم سے جدا ہو کر میں نے کوئی راحت نہیں پائی سو اے اس کے کہ میں تھوڑا سا سیراب کیا جاؤں

قَالَ عُرْوَةُ وَثَوَيْبَةُ مُوَلَّاةٌ
لِأَبِي لَهَبٍ كَانَ أَبُو لَهَبٍ
أَعْتَقَهَا فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ
صَلَاةً عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ رَأَتْهُ
أَيُّمُ أَهْلِهِ تَشْرِحُ جَنْبَهُ
قَالَتْ لَهُ مَاذَا لَقِيتِ قَالَ
أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلْقَ لَعْنَكُمْ
غَيْرَ أَبِي سَقِيتُ رُوحِي
هَذَا وَلَعْنًا قَتَلْتُ ثَوَيْبَةَ

(بخاری شریف جلد ۱ ص ۵۵۵)

فتح الباری شرح بخاری شریف میں ہے۔

علامہ پہلی نے ذکر کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو لہب جب مر گیا تو میں نے ایک سال بعد اسے خواب میں دیکھا کہ وہ بہت بری حالت میں ہے اور کہہ رہا ہے کہ تمہارا بعد مجھے کوئی راحت نصیب نہیں ہوئی لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ہر پیر کے دن مجھ سے عذاب کی کمی

ذَكَرَ الشَّيْخُ أَبُو الْعَبَّاسِ قَالَ
لَمَّا أَبُو لَهَبٍ رَأَيْتُهُ فِي
مَنَامِي لَعْنًا خَوَّلَ فِي شَرِّ
حَالٍ فَقَالَ مَا لَقِيتِ لَعْنَكُمْ
بَلَعَرْتُ أَنَّ الْعَذَابَ
يُخَفَّفُ عَنِّي فِي كُلِّ يَوْمٍ
إِلَّا تَنِيَّتِ قَالَ وَذَلِكَ
أَنَّ إِلَهِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَلَدَيْهِمَا أَتَيْنَ وَكَانَتْ
ثَوْبِيَّةً كُنْشَتْ أَبَا لَهَبٍ
بِمَوْلِدِهِ فَأَعْتَقَهَا

(فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۹۵)

کی جاتی ہے حضرت عباس نے فرمایا یہ
اس وجہ سے ہوا کہ جب حضور پر آپ
اور ثویبہ نے ابولہب کو حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشخبری
سنائی تو ابولہب نے اسے زاکر و زانیہ

یہ حدیث شریف عمدۃ القاری شرح بخاری طبع جدید جلد ۹ صفحہ
۱۹۵ نیز علامہ ابوالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمائی ہے
(ماخوذ من زاد المعاد للنبی بلعامة الفہامۃ السید احمد سعید کانہی رحمۃ اللہ علیہ)

اغترض یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے
لَا يَخْفَى عَنْهُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
يَنْظُرُونَ (پ، ص ۱۴۲ آیت ۱۷)

لہذا جب ابولہب اور ابولہب ایمان نہیں لائے اور ان کا خاتمہ
کفر کی حالت میں ہوا تو ان کے عذاب میں تخفیف دینی کیسے ہوگی؟
اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں جس کمی کی نفی ہے وہ مدت
کے اعتبار سے ہے یعنی کفار کے عذاب نخلہ دینی ہمیشہ کے عذاب
میں، اور دائمی سزا میں تخفیف نہیں ہوگی اور احادیث مبارکہ میں جس
تخفیف کا ثبوت ہے وہ کیفیت کے اعتبار سے ہے یعنی عذاب جو
گا تو دائمی اور غیر متناہی ہمیشہ کے لئے، لیکن اس کی مقدار کو کم دیا جائے
دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ کفار کے
عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی یہ اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف ہے اور
جن کفار کے عذاب میں اللہ تعالیٰ تخفیف کرے گا یا فرمائے گا یہ اللہ تعالیٰ
کو فضل و کرم ہے۔

پنچچ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح بخاری میں

کھتے ہیں۔

وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ هَذِهِ التَّخْفِيفُ
خَاصٌّ بِمَنْ دَانَ وَرَبَّنَا وَرَبَّنَا
وَقَالَ ابْنُ مَيْمُونٍ فِي الْحَاشِيَةِ
هَذَا قَضِيَّتَانِ اخْتَلَفَا فِي
مَعْنَى اِعْتِبَارِ طَاعَتِهِ اَلْكَافِرُ
كَقَوْلِهِ اِنَّ نَشْرَةَ الطَّاعَةِ اَنْ
تَقَعَ بِمَنْ يَخْبِى فِي هَذَا مَقْعَدٍ
مِنْ اَلْكَافِرِ اَلثَّانِيَةِ اِتَابَهُ
اَلْكَافِرُ عَلَى بَعْضِ اَلْاَعْمَالِ
تَفَضُّلاً مِنَ اَللّٰهِ تَعَالٰى وَهَذَا
لَا يَحْتَمِلُهُ اَلْعَقْلُ فَاِذَا اُنْفَرَك
ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ عَشَقٌ اِلَّا لِهَيْبِ
لِثَوْبِيَّةٍ قَوْلُهُ وَخَيُّوْا اِنَّ
يَفْضَلُ اَللّٰهُ عَلَيْهِ لِمَا شَاءَ
كَمَا تَفَضَّلَ عَلَى اَبِي طَالِبٍ وَ
اَلنَّبِيِّ وَذٰلِكَ اَلْتَّخْفِيفُ
فَقِيًّا وَثَابِتًا فَعَلْتُ وَتَبَّحْتُ
هَذَا اِنْ يَتَّعِدَنَّ مِنَ اَلْكَافِرِ
اَلْبَلَّاءُ وَخَوُّ ذٰلِكَ، وَ
اَللّٰهُ اَعْلَمُ

(فتح الباری شرح بخاری جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۹)

امام قرطبی نے فرمایا یہ تخفیف عذاب ابولہب
کے ساتھ تھا ہے اور اس شخص کے ساتھ
خاص ہے جس کے حق میں عذاب کے
متعلق تخفیف کی نص دینی قرآن کی
آیات یا صحیح حدیث وارد ہوئی جیسے کہ
ابوطالب کے حق میں ابن مبر نے کہا یہاں
دو قسم ہیں ایک تو محال ہے وہ یہ کہ
کافر کے کفر کے ساتھ اس کی نیکی کا لحاظ
کیا جائے محال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ
نیکی کا معتبر ہونا ارادہ صحیح کسی شرط کے
ساتھ مشروط ہے اور یہ کافر میں نہیں
پائی جاتی دوسرا قضیہ یہ ہے کہ کافر کو
اس کے کسی عمل پر بخش فضل و کرم کے
طور پر کوئی فائدہ پہنچانا اور یہ بات
عقل کے نزدیک محال نہیں اور دونوں
باتیں ثابت ہو گئی تو جاننا چاہیے کہ
ابولہب کا ثویبہ کو آزاد کرنا کوئی معتبر
نیکی نہیں تھی لیکن اس کے اس عمل پر
اگر اللہ تعالیٰ بخش اپنے فضل و کرم سے
کچھ احسان فرمائے تو یہ ممکن ہے جیسا
کہ ابوطالب پر احسان فرمایا اس کیلئے
پر نفی اور ثبوت شریعت کے حکم پر موقوف

ہے جس کے حق میں جو کچھ شریعت میں حکم صادر ہوا ہو اس کی اتباع کی جائے گی۔ میں (ابن حجر عسقلانی) کہتا

ہوں کہ علامہ ابن منیر کی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوہب پر فضل و کرم یا اسی طرح دوسرے جیسے ابو طالب کے حق میں جو فضل و احسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوا ہو وہ اس ذات اقدس و صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام و اعزاز کے لئے ہوتا ہے جس کے لئے کافر نے کوئی نیک کام کیا ہوتا ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بیان کیا ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لئے اپنے قانون میں استثنیٰ فرمادیتا ہے (یعنی کسی حکم کلی میں سے کسی مخصوص فرد کو الگ کر دیتا ہے) جیسے اللہ تعالیٰ نے قانون بنایا ہے کہ معاملاتی امور میں سے ہر نزاعی معاملہ میں دو گواہ ہونے چاہئیں پھر نچے فرمایا:

وَلَا تَقْبَلُوا لَهُ شَہَادَةً مِنْهُنَّ اُولَیْہِمْ دُیْنًا ۚ وَ اُولَیْہِمْ دُیْنًا ۚ

لیکن ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

(ابوداؤد شریف ص ۵۵)

اسی طرح کفار کے بارے میں قانون تو یہی ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حق میں (باذن الہی) شفاعت کر دیں تو پھر بھی تخفیف نہیں ہو سکتی ایسا نہیں ہو سکتا (یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کلی اور عمومی قاعدہ میں استثنیٰ فرماوے) یہ تو ہو سکتا ہے لیکن (باذن الہی) شفاعت میں اپنے محبوں کی بات

مال دے یہ نہیں ہو سکتا۔

(مانعہ از شرح صحیح مسلم شریف للعلامة الفہامة استاذی المکرم

ابو الوفاء غلام رسول السعیدی)

اَقَالَ يَا نُوحُ اِنَّہُ لَیْسَ بِوَلَدِیْ ۚ اَهْلَکَ اُمَّتُہُ عَلٰی غَیْرِ صَالِحٍ ۚ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔

(دعوت ۱۱، سورۃ ۱۱، آیت ۴۳)

خیال رہے کہ اس آیت کریمہ نے مسلمان اور کافر کے درمیان نسبتی قرابت (یعنی خاندانی رشتہ ختم کر دیا کیونکہ دینی قرابت نسبتی قرابت سے زیادہ قوی ہے یہی وجہ ہے کہ کنعان اگرچہ حضرت نوح علیہ السلام کا بی بیٹا تھا لیکن چونکہ وہ آپ کے دین پر نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا خاندانی رشتہ ختم کر کے اعلان کر دیا کہ لے نوح پکنعان تیرے گھر والوں سے نہیں اور چونکہ کافر اور مسلمان کے درمیان نسبتی رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اس لئے کافر مسلمان کی وراثت کا اور مسلمان کافر کی وراثت کا حقد انہیں بن سکتا چنانچہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ ۚ

مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا

وَالْمُسْلِمُ لَا یَرِثُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ یَرِثُ الْمُسْلِمَ ۚ

اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا

جب ثابت ہو گیا کہ کافر اور مسلمان کے درمیان نسبتی اور خاندانی رشتہ منقطع اور ختم کر دیا گیا ہے تو اگر معاذ اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام ابا و اعمہات عمونا اور والدین کریمین خصوصاً کافر ہوتے تو ان کا نسب

متعلق بھی حضور سے منقطع ہوتا حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں

عَنْ بَنُو النَّصْرِ بْنِ کِنَانَةَ لَا یَسْتَفِیْ مِنْ

ہم نصر بن کنانہ کے بیٹے ہیں ہم اپنے

باپ و دادا سے نسب جدا نہیں کرتے

اَبِیْنَا

و رسول الاسلام بحوالہ ابوداؤد، الطحاوی، ابن سعد، ابن ماجہ، حاکم، مسند،

ہادی، ابن قانع، طبرانی نے کبیر بن البرہم، الغیاء المقدسی، صحیح المختار میں حضرت اشعث بن قیس گندی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آیا و امہات مسلمان تھے ورنہ حضور ان سے اپنا بیبی متعلق قائم نہ رکھتے بلکہ ختم کر دیتے۔

علامہ انیس امام احمد بن حنبل کتاب المناقب میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

يَا مَعْشَرَ بَنِي هَاشِمٍ وَالْكَوْثَرِ
يَعْلَانِي بِالْحَقِّ نَبِيًّا لَوْ
أَخَذْتُ بِخَلْقَةِ الْجَنَّةِ
مَادِدًا أَكْتُرُ اللَّهُ بِكُمْ

والعلم الظاهر في فضله منبسطاً

اے جماعت بنی ہاشم بنو قحتم ہے اس ذات قدس کی جس نے مجھے برحق نبی بنا کر بھیجا جب میں جنت کی کنڈھی کھولوں گا تو اس کے اندر جانے کیلئے سب سے پہلے تم سے اہل کار کوں گا۔

واضح رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد بنی ہاشم میں سے جن اشخاص نے دعوت اسلام ملنے کے باوجود کفر و شرک ترک کر کے اسلام قبول نہیں کیا وہ حضور کے اس اعلان ذیشان سے محروم رہیں گے لیکن حضور کے والدین کو نہ دعوت اسلام پہنچی دیکھ کر وہ اعلان نبوت کے زمانے سے پہلے انتقال کر چکے تھے اور نہ ان سے کفر و شرک ثابت ہے لہذا وہ حضور کے اس مذکورہ بالا اعلان ذیشان سے فائدہ اٹھائیں گے۔ قالہ اللہ علی ذالک

أَكْذِبُ تَوْبَعِي أَصْحَابُ النَّارِ
أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ
هُمُ الْفَائِزُونَ
دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں جنت والے ہی کامیاب ہیں
(پ ۲۸، ص ۵۹، آیت ۲۰)

اس آیت کبیرہ میں واضح کر دیا گیا کہ جنتی اور دوزخی برابر نہیں بلکہ جنتی دوزخیوں سے تمام درجات میں افضل و اعلیٰ ہیں، دنیا میں بھی آخرت میں بھی کیونکہ جنتی مومن متقی، نیک، سعادت مند، خوش نصیب اور اس کے برعکس دوزخی، کافر، فاسق، بدکار، شقی، بد بخت اور نصیب سے محروم، بد بخت، ایمان، تقویٰ، طہارت اور عمل صالح کی وجہ سے جنت میں اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے اور انعامات الہیہ سے سرفراز ہوں گے جب کہ دوزخی کفر و شرک، فسق و فجور اور بد عملی کی وجہ سے دوزخ کے اندر ذلیل و خوار ہوں گے اور دردناک عذابوں میں مبتلا ہوں گے۔

وہر حال مومن ہر لحاظ سے کافر سے بہتر و برتر ہیں اب اگر خداوند تعالیٰ ہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو عین کفر اور دوزخی ہوں تو لازم آئے گا کہ وہ ہر لحاظ سے مسلمانوں سے بدتر ہوں حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی تو تمام مخلوق میں سے بنی آدم کو برگزیدہ بنایا اور بنی آدم میں سے عرب کو برگزیدہ بنایا اور عرب میں سے مضر کو اور مضر سے قریش کو برگزیدہ بنایا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ بنایا پس میں برگزیدہ لوگوں سے برگزیدہ سے برگزیدہ لوگوں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔

(المعجم لفظی و لغوی، ج ۲، ص ۱۱۱، بحوالہ طبرانی، متقی، امام ابو نعیم)

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آیا و امہات اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے بہتر و برگزیدہ تھے حالانکہ ہر زمانے میں مسلمان ضرور رہے ہیں ورنہ روئے زمین کے تمام لوگ تباہ و برباد اور ہلاک ہو جاتے لہذا آپ کے آیا و امہات اپنے زمانے کے مسلمانوں سے تیب بہتر ہوں گے جب خود مسلمان ہوں اور چونکہ یہ

حضرات اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے بہتر ہیں لہذا ثابت ہوا کہ آپ کے
آپاؤاہیات جنتی اور مسلمان ہیں باقی رہا یہ مسئلہ کہ ہر زمانے میں مسلمان
ضرور رہے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ امام عبدالرزاق نے امام بخاری اور
امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح سند کے ساتھ حضرت معمر سے انہوں نے
حضرت ابن جریر سے روایت بیان کی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ
عنه نے فرمایا کہ

لَمْ يَزَلْ عَلَى وَجْهِ الدُّهْرِ
فِي الْاَنْصَابِ سَجْدَةً مُسْلِمُونَ
كَصَاعِدِ افْلَاحٍ لَا ذَا بِلَهْكَ
الْاَوْصُفُ وَمِنْ عَمَلِهَا

(الحاوی لفقہاء جلد دوم ص ۱۸۱)

تراجم رسول کا انجم

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْخَذُوْنَ مِنَ اللّٰهِ
رُسُوْلُهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ
عَذَابًا مُّهِينًا

دپ ۲۲، ۲۳، آیت ۵۷

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی شقاوت و بدبختی اور بد نصیبی کا
بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی
بد اعمالیوں اور نازیبا اقوال سے ایذا اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کو جس کام اور حسن قول سے ایذا اور دکھ پہنچے وہ حرام ہے پناچہ علامہ
ابن کثیر اس آیت مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اور

شخص خواہ کسی طسرح بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف اور دکھ
پہنچائے وہ لعنتی اور دولت ناک عذاب کا مستحق ہے کیونکہ رسول اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد چہارم)

اس آیت کریمہ کے تحت فقیہ العصر حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ
قاضی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ایمان افروز تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یعنی جو شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کو خواہ آپ کی ذات اقدس میں خواہ آپ
کے سچے دین میں خواہ آپ کے حرب و حرب
اور پاک خاندان میں خواہ آپ کی

صفات عالیہ میں کسی صفت مقصد میں
طعن و تشنیع اور تنقیص و توہین کر کے

ایذا اور دکھ پہنچائے یا برائی کے
طریقوں میں سے کسی برے طریقے کے

ساتھ آپ پر تہمت لگائے اور یہ سب
صراحت کے ساتھ ہوں یا کنایہ کے

ساتھ ہو اشارہ کے ساتھ ہو یا بطور
مزیات کہے ہر حال میں وہ کافر ہو

جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی اس پیر
لعنت ہوگی۔ دنیا اور آخرت میں

اور اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے لئے
جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حضرت قاضی صاحب کی مذکورہ بالا ایمان افروز اور عشق و محبت

مَنْ اَذْنَى رُسُوْلٍ اَللّٰهُ صَلَوٰتُ

اَللّٰهُ عَلَيْهِ فِي سَلَمٍ يَطْعَنُ

فِي شَخْصِهِ اَوْ دِيْنِهِ اَوْ نَسَبِهِ

اَوْ صِفَةٍ مِنْ صِفَاتِهِ اَوْ

اَوْجِبِهِ مِنَ الْوُجُوْهِ الشَّيْنِ

بِيْنَهُ صَرَاحًا اَوْ كِنَايَةً اَوْ

تَعْرِضًا اَوْ اِسَارَةً كَفَرًا

وَلَعَنَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا

وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا

جَهَنَّمًا

تفسیر منہجی جلد ۷

ص ۳۸۱

سے لبریز اور عقیدت و نیاز مندی سے بھر پور جامع تقریر سے دیگر مسائل کے علاوہ ایک مسئلہ پر ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب نسب میں طعن کرنا خواہ عقائد و نظریات کے اعتبار سے ہوا خواہ اعمال و سیرت کے اعتبار سے ہو ہر حال میں کفر ہے جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اہل بیت خاص کر آپ کے والدین کریمین کے بارے میں کفر و شرک کا عقیدہ رکھ کر ان حضرات کو کفر و شرک جیسے بدترین عیب کے ساتھ داغدار کرتے ہیں اور انہیں جہنمی اور دوزخی ہونے کی گالیاں دیتے ہیں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا اور دکھ پہنچا کر کافر ہو جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک

اس لئے تمام کلمہ گو مسلمانوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اہل بیت خاص کر آپ کے والدین کریمین کے بارے میں کم از کم توقف اور خاموشی ضرور اختیار کرنی چاہیے۔

پناچہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت حضرت امام الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی ایک کتاب "شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام" میں لکھا ہے کہ علامہ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح میں فرماتے ہیں۔

مَا أَحْزَنُ قَوْلَ الْمُتَوَقِّفِينَ فِي هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ الْتَذَرُ مِنْ ذِكْرِهِمَا بِنَقْصٍ فَإِنَّ ذَٰلِكَ قَدْ يُؤْذِيهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَبْلِ الطَّبَرِ أَيْ لَا تَذَرُ وَلَا حِيَا بِسَبَبِ الْأَمْوَاتِ۔

جیسا کہ طبرانی شریف میں حدیث مبارکہ ہے کہ مردوں کو برا بھلا کہہ کر

زندوں کو ایذا دے دو۔

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو زندہ ہیں جیسے حدیث پاک میں ہے إِنَّ اللَّهَ حَدَّثَكُمْ عَلَى أَنْ تَرْضَى أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ قَتَلْتُمْ أَوْلَادِهِمْ حَبِيبًا بَيْنًا۔
بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے مبارک جسموں کو کھا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر نبی پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ملتا ہے۔ پس یہی وجہ ہے کہ آپ ہمارے تمام افعال و اقوال پر لبطاء الہی مطلع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَأَعْلَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا آيَةُ ۴۱۔ جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں انکے لئے دردناک عذاب ہے۔ عقل مند کو چاہیے کہ ایسی جگہ سخت احتیاط سے کام لے۔

بشارت کر رہی ہوں کہ تم تیغ ست قدم را ہوش رکھو جس راہ پر میں چلتا ہوں وہ پاؤں کے لئے تلوار ہے۔

یہ ماننا کہ مسئلہ قطعی نہیں، اجتماعی نہیں پھر اُدھر کونسا قاطع کونسا اجتماع ہے آدمی اگر ادب کی جانب میں غلطی کرے تو لاکھ جگہ بہتر ہے اس سے کہ معاذ اللہ اس کی غلطی گستاخی کی جانب کی جائے جس طرح حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ الْأَمَامَ لَنْ يَخْطِئَ فِي الْعَقْلِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَخْطِئَ فِي الْعَقْلِ۔ جہاں تک جو کسے حد و کوٹاں دو کوئی نہ امام کا معاف کر دینے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔

ابن امی شیبہ، جامع ترمذی، حاکم معجم سند کے ساتھ سابق شریف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

حضرت الاسلام امام غزالی قدس سرہ العالی اجیار العلوم میں فرماتے ہیں کہ مسلمان کی طرف کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں جب تک تو اتر سے ثابت نہ ہو لہذا جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف معاذ اللہ اولاد جنین پچال سے ہونا بغیر تواتر کے کیسے نسبت کر دیا جائے۔

پھر یقین برائی کا استغناء حکم و عبادتی گمانی نہیں ہوتا کیا تمہارا وجدان ایمان گوار کرتا ہے کہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرکار نور بار کے ادنیٰ سے غلاموں کے غلام بارگاہ رب العزت کی طرف سے جنت نعیم میں بلند و بالا صوفیہ سیٹوں پر گھونٹکے لگائے چین سے بیٹھیں اور انعامات سے لطف اندوز ہوں، راحت و سکون حاصل کریں اور جن کے تصدق میں جنت نبی ان کے مال باپ دوسری جگہ معاذ اللہ قہر و غضب اور عذاب و تکلیف میں مبتلا ہو کر مصیبتوں کو برداشت کریں ہاں یہ پس ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ جو غنی و حمید ہے پر حکم نہیں کر سکتے پھر دوسرے حکم کی کس کے گنجائش دی ہے اوھر کو نسی دلیل قاطع پائی حاش اللہ ایک حدیث بھی صحیح نہیں جو صریح ہے ہر گز صحیح نہیں اور جو صحیح ہے ہر گز صریح نہیں جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارے کر دیئے ہیں تو کم از کم درجہ وہی سکوت ہے۔

(ماخوذ من شمول الاسلام لاصول الشریعہ)

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گستاخ رسول کا حکم اور دنیا میں اس کے لئے شرعی سزا کا ثبوت بھی مہیا کر دیا جائے تاکہ قارئین کرام اس کے انجام بد سے بوری طرح آگاہ ہو جائیں۔

گستاخ رسول کے لئے شرعی حکم

یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی اور بے ادبی چونکہ حرام

ہے اور کفر ہے اس لئے گستاخ رسول بحکم شریعت کافر ہے یہاں چند قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں اور احادیث مبارکہ آئندہ صفحات پر گستاخ رسول کی شرعی سزا کے ضمن میں بیان کر دی جائیں گی۔

یہ بھی خیال میں رہے کہ ہم نے ابھی شروع میں دو آیتیں بیان کی ہیں جن میں سے پہلی آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں ایذا اور دکھ پہنچانے والے گستاخ کو دنیا اور آخرت میں لعنتی قرار دیا گیا ہے اور آخرت میں ذلت ناک عذاب کی وعید پائی گئی ہے دوسری آیت میں درد ناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے لہذا شیطان کی طرح گستاخ کو دنیا و آخرت میں لعنتی قرار دیا جانا اس بات کی روشن ترین دلیل ہے کہ حضور نبی اکرم رسول اعظم محبوب محترم خدام و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے ادبی اور گستاخی کرنا حرام اور کفر ہے پھر ذلت ناک عذاب اور درد ناک عذاب کی وعید بے ادب اور گستاخ کو کافر قرار دینے کے لئے کافی دلیل ہے کیونکہ یہ دونوں عذاب کافروں کے لئے مخصوص ہیں۔

علاوہ ان میں دیگر چند آیات قرآنی یہ ہیں۔

ایمان والو! میرے حبیب کے کلام کرتے وقت، راغبانہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر کریم رکھیں اور پہلے ہی سے مغفروں اور کافروں کے لئے درد ناک عذاب۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَقَدْ كُنَّا
رُءُوفًا غَافِلِينَ أُولَئِكَ كَانُوا فِي
أَعْيُنِنَا وَأَنْتُمْ كُنْتُمْ كَافِرِينَ

(آیت ۱۰۴)

اس آیت کریمہ کا شان نزول مفسرین کرام نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب صحابہ کرام وعظ سنتے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تو بعض دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد و گرامی کو اچھی طرح

سمجھ نہ سکتے تو عرض کرتے یا رسول اللہ راجعاً یعنی اے رسول خدا ہم پوری طرح سمجھ نہیں سکے لہذا ہماری رعایت فرماتے ہوئے دوبارہ سمجھا دیجئے لیکن یہود کی عبرانی زبان میں اس لفظ "راجعاً" کے معنی تھے پھر واپس، اہق اس نہ سنا جائے۔ جب یہود نے مسلمانوں کو یہ لفظ کہتے ہوئے سنا تو آپس میں کہنے لگے اب ہم اس لفظ کے ذریعے نہایت رازداری کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کریں گے۔ چنانچہ یہ لوگ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور سب کے سامنے یہی لفظ برسی نیرت سے بولتے اور آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے اور چونکہ صحابہ کرام عبرانی زبان سے ناواقف تھے اس لئے انہیں ان غیثیوں کی شرارتوں کا علم نہ ہوتا تھا لیکن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہود کی عبرانی زبان سے واقف تھے لہذا انہوں نے یہی لفظ یہودیوں کو بولتے ہوئے سنا تو ان سے منبر مایاکہ

يَا اَعْدَاءَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
لَعْنَةُ اللَّهِ وَاللَّوْغَى بَيْنَهُ
لَئِنْ سَمِعْتُمْهُمَا مِنْ أَحَدٍ
مِّنْكُمْ لَيَقُولُنَّ لَقَدْ كُذِبَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا وَصِيَّ بَيْنَهُنَّ

اے اللہ کے دشمنو! تم پر خدا کی لعنت
بیسے مجھے قسم ہے اس ذات اقدس
کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر
آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ حضور
نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم
کی شان اقدس میں بولا تو میں ضرور
ضرور اس کی گردن مار دوں گا۔

یہودیوں نے کہا ہم پر تو ناراض ہو رہے ہو لیکن مسلمان بھی یہی کہتے ہیں اس پر حضرت سعد بنجیدہ ہو کر حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو بھی اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع کر دیا گیا تاکہ یہود آئندہ اس لفظ کے ذریعے

سور کی ذات اقدس میں بے ادبی نہ کریں۔

تفسیر خازن جلد اول، تفسیر صلی جلد اول، تفسیر خازن العرفان
اس آیت کریمہ سے تین مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور کی بارگاہ
بے ادبی کا لفظ یوں حرام ہے دوسرا یہ کہ گناہی اور بے ادبی حرام اور
موج ہے تب ہی تو توہین آمیز لفظ استعمال کرنے سے منع کر دیا گیا ہے
سرا یہ کہ گستاخ رسول کا فر اور مرتد ہے اس لئے تو وَلِیْكَفْرِ بَيْنَ عَدَاوَتِهِمْ
دیا گیا ہے۔ چوتھا یہ کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے قول سے واضح
ہو گیا کہ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے۔

ثم فرأى أکیا اللہ اور اس کی آیتوں اور
اس کے رسول سے تم ہنستے ہو۔ تم
بہانے نہ بناؤ تحقیق تم کافر ہو چکے ہو
مسلمان ہو کر۔

لَا تَبْلُغُوا أَیَاتِهِ وَ
سُؤْلَهُ كَذِبًا تَسْتَعِزُّونَ
وَأَنْتُمْ تَكْفُرُونَ
لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

شانِ نزول۔ غزوہ تبوک میں جاتے ہوئے حضور سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کے علاوہ منافقوں کا ایک گروہ
ہی تھا جن میں تین آدمی دو یحییٰ بن ثابت، جلاس بن صامت، عیسیٰ
بن حیمیر اشجعی جا رہے تھے کہ ان میں سے دو مبطور طعنہ زنی آپس میں
بے لگے کہ حضور کا خیال ہے کہ ہم روم پر غالب آجائیں گے اور اب
ہم ہیں کہ رومیوں کے قلعے اور ان کے محلات فتح کر لیں گے یہ بالکل
غلط ہے۔ جھلا انہی اس عقلمندی اور دہشت کو تو دیکھئے کہ انہوں نے
رومیوں کی لڑائی کو عرب کی آپس کی جیسی لڑائی سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ
سنت خطرناک غلطی ہے چلو اچھا ہوا انہیں وہاں پہنچے دو ہم بھی یہاں
ایسی درگت منائیں گے تیسرا عیسیٰ بن حیمیر خاموش تھا مگر ان کی باتوں
لو سن کر ہنستا تھا۔ حضور نے بلا کر پوچھا تو کہنے لگے ہم تو صرف راستہ

کاٹنے کے لئے دل لگی کرتے جا رہے تھے اور یونہی وقت گزارنے کے لئے
بہنس بول رہے تھے، آپ نے فرمایا تمہاری ہنسی اور مذاق کے لئے اللہ
اور رسول اور قرآن ہی رہ گیا ہے اس پر غشی بن حمیراشی نے سچی توبہ کر
لی اور مسلمان ہو گیا، تب یہ آیات نازل ہوئیں جن میں واضح کر دیا گیا کہ اللہ
متعافی اور رسول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے بارے میں
گستاخی کرنا کفر ہے پس ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
بارگاہ اقدس میں توہین و تمقہص اور گستاخی و بے ادبی کرنے والا کافر اور
مردود ہے۔

نوٹ۔ ان آیات کی چودہ سی تفہیم غیب و ظہور، تفسیر ابن کثیر
تفسیر صاوی، تفسیر خزائن العرفان میں انہی آیات کے تحت ملاحظہ فرمائی
ابن و اشکبر و کان وین الکافرین | اس نے تعمیل حکم سے انکار کیا، اور
(پہا، ص ۳۳، آیت ۳۳) غرور کیا اور کافر ہو گیا۔
پس منظر۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تاج خلافت
عنایت کرنے کے لئے دولت علم کی خلعت سے سرفراز فرمایا تو تمام فرشتوں
کے ساتھ ان کے اساد و شیطان کو بھی حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو
سجدہ کرو، اس پلید نے تعمیل حکم کی بجائے تکبر کیا اور حضرت آدم علیہ
السلام کی شان اقدس میں دو گستاخیاں کر دیں، ایک یہ کہ

اَنَّا خَيْرُ مِمَّنْ خَلَقْتَنِي مِنْ خَارِدٍ | بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے
خَلَقْتَنِي مِنْ خَيْرٍ مِنْ اِيَّيْ، آیت ۱۱ | مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے
یہاں شیطان نے سجدہ نہ کرنے کی ایک وجہ بیان کی ہے کہ اگر حضرت
آدم علیہ السلام اس کے خیال میں اس سے بہتر ہوتے تو وہ ضرور سجدہ
کرتا کیونکہ مسجود وجہ سجدہ کیا جائے، کاساجدین (یعنی سجدہ کرنے
والوں سے) افضل ہونا لازمی ہے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ مسجود یعنی

حضرت آدم علیہ السلام، تمام ساجدین (یعنی تمام فرشتوں اور شیطان سے
افضل تھے لیکن شیطان کا خیال باطل یہ تھا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام
سے افضل اور بہتر ہوں اس لئے مجھے سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ
علامہ قاضی شمس الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ
شیطان نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام
کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں
اس سے بہتر ہوں اور بہتر کے لئے
مناسب نہیں کہ وہ اپنے سے کم تر کو
سجدہ کرے۔

قَالَ السَّائِفُ مِمَّنْ كَوْنِي
خَيْرُ الْمَنْشُورِ لِي لَا يَحْسِنُ
بَلْ فَاصِلُ اَنْ يَنْجُو مِنَ الْغَضَبِ

(تفسیر ظہوری جلد سوم ص ۳۳، تفسیر بیضاوی جلد اول، تفسیر ابو سعید
جلد اول ص ۲۱)

اس پس منظر کے بیان کرنے سے غرض یہ ہے کہ شیطان صرف حضرت
آدم علیہ السلام کی توہین اور بے ادبی کی وجہ سے کافر ہوا ہے ورنہ آج کل
کئے مسلمان ہیں جو حاکم مطلق، خالق کائنات رب العزت کے حضور سجدہ پڑ
نہیں جوتے لیکن پھر بھی وہ مسلمان ہیں۔
پہنا پڑے مفسرین کرام نے انہی کی تفسیر (مَنْعَةً مِنَ السُّجُودِ) یا (مَنْعَةً خَا
اِيَّيْ) کے الفاظ سے کی ہے۔

تفسیر جلالین، تفسیر خزائن، تفسیر ظہوری، تفسیر بیضاوی، تفسیر ابو سعید
یعنی شیطان مردود کو سجدہ کرنے کا جو حکم ملا تھا اس کا اس نے
انکار نہیں کیا بلکہ اس کی تعمیل سے رک گیا۔ جیسا کہ علامہ قاضی ناصر الدین
بیضاوی اور علامہ ابوسعود نے فرمایا لَا يَتَرَبَّعُ الْوَلَدُ عَلَى الْوَالِدِ وَخَدَّ
یعنی شیطان پلید صرف واجب (یعنی سجدہ) کے ترک سے کافر نہیں ہوا
بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کرنے کی وجہ سے کافر ہوا۔

(تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن سعوی)

شیطان کی دوسری گستاخی

قَالَ كَلَّا اِنْ اَنَا مَرْجُومٌ
لَبَشْرٌ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلَافٍ
مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۚ قَالَ
فَاَخْرِجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَاجِعٌ
وَلَا يَنْصُرُكَ لَعْنَةُ الْاِلٰهِ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ ۚ اِنَّ اِيَّاهُ يَرْجِعُ
اِسْ بَحْرِيہ کی نظر صرف حَمَإٍ مَّسْنُونٍ کو دیکھ کر لیکن وَفُتِحَتْ
فِيهِ مِنْ رُوحِي ۚ میں نے اس میں اپنی روح پھونکی کے راز کو نہ سمجھ
سکی اور ایسی ٹھوکر کھائی کہ عمر بھر کی نیکیاں مٹ کر دی گئیں اور جہنم کے
لئے درجہ حرارت سے دھتکار دیا گیا آج بھی کئی لوگ جہاں مصطفویٰ کی
رعنا یوں کو نہیں دیکھتے اور اپنے جیسا بشر کہنے کی جرات کرتے ہیں
انہیں شیطان کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

(تفسیر خلیلو القلانی جلد دوم)

واضح رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام میں دو جہتیں تھیں ایک وصف
نبوت اور شان خلافت کی دوسری بشریت محض کی، فرشتوں کی نظر
صفت نبوت اور شان خلافت پر پڑی، وہ سمجھ رہے تھے کہ لیکن
شیطان مردود کی نظر محض بشریت پر پڑی اور اس نے معمول حکم سے
انکار کر دیا کہ یہ خاکی اور کثیف ہے اور میں ناری اور لطیف ہوں لہذا
میں اس سے بہتر ہوں یہ بھی شیطان لعین کے کفر کی دوسری وجہ کہ
اس نے محترم نبی کی بشریت کو معیوض رکھا اور کمالات نبوت اور شان
خلافت کو نہ دیکھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام

جس بشر اور نوح انسان سے ہونے کا انکار کر رہا ہے اور بے دینی ہے
اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے بے شمار فضائل و کمالات سے
لوگوں پر صرف انکی بشریت محض کو پیش نظر رکھ کر اپنے جیسا بشر
بلا اور سمجھا بھی بے دینی اور کفر ہے کیونکہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق
انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار کا دستور ہے۔
یہاں بطور نمونہ قرآن کریم کی چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

اشارہ سے کافی اہل خرد کو

قَالَ الْمَلٰٓئِکَةُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
مِنْ قَوْمِهِ مَا اَنْتَ لَکَ الْاِ
نْسَانُ وَتَتَّكِبُ عَلٰی الْاٰیٰتِ
فَقَالَ الْمَلٰٓئِکَةُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
مِنْ قَوْمِهِ مَا هٰذَا اِلَّا کِتٰبٌ
مِّنْکُمْ دِیْنٌ ۚ اَتٰیٰکُمْ اَنْ
یُّنْزَلَ اِلَیْکُمْ الْکِتٰبُ

اس سورت کے تیسرے رکوع میں حضرت ہود علیہ السلام یا حضرت
سارح علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو توحید الہی
کی دعوت دی تو

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ
کَفَرُوْا اَوْ کَلَّجُوا بِقَاءِ الْاٰخِرَةِ
ۚ اِنَّهُمْ فِی الْحٰیٰۃِ الدُّنْیَا
سٰۤہُوْنَ ۚ اِلَّا کِتٰبٌ مِّنْکُمْ یٰۤاٰمِلُوْنَ
ۚ اِنَّا کٰوْنُ مِنْہُ وَکٰشِبُ
مَا تَشْرٰوْنُ ۚ وَلَیْسَ
اَلْعَمَلُ بِمِثْلِ اِنْتِظَامِ اُنْکُمْ

اور انکی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے
کفر کیا اور آخرت کی حاضری کو جھٹلایا اور ہم
نہیں دنیاوی آسائش دی تھی، کہ یہ
تو نہیں مگر تم جیسا بشر جو تم کھاتے ہو
میں سے وہ کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو
اسی میں سے وہ پیتا ہے اور اگر تم نے
کسی اپنے جیسے بشر کی اطاعت کی تو

اِنَّ الْاَخْيَرُ فَوْقَ الدُّنْيَا تِلْكَ آيَاتُ ۝۲۱ تم ضرور گھاٹے میں رہو گے۔
 اس رکوع کے اخیر میں ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فراعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا۔

تو انہوں نے غرور و تکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے تو انہوں نے کہا کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے آدمیوں پر حالانکہ انکی قوم ہماری غلامی قوم تھوئے کہا اسے صلح اچھ تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے بشر اور نہ لاؤ کوئی مجزہ اگر تم بچوں میں سے ہو۔ ایک لبتی کے بتوں نے کہا اے شعیب تم ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے بشر ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔

جب ہم نے اصحاب قریبی کی طرف در رسول بھیجے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے رسول کے ساتھ انکی پڑکی تو ان تینوں نے کہا کہ بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں وہ بولے تم تو نہیں مگر ہمارے جیسے بشر اور جن

فَاَسْتَكْبَرُوا وَكَانَ قَوْمُهُمُ
 عَالِينَ هَ فَقَالُوا لَكَ بَشَرٌ
 لِّبَشَرٍ مِّثْلُنا وَقَوْمُهُمْ
 لَكَ غِلَدٌ وَفَدُّوا بَشَرًا
 قَالُوا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ
 السَّجَرِیْنَ مَا اَنْتَ اِلَّا كَبَشَرٌ
 مِّثْلُنَا قَامَتْ لِیَا قُوْتُ
 مِیْنُ الصَّلَافِیْنَ دَلَّ اَنْتَ
 قَالُوا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ
 السَّجَرِیْنَ وَمَا اَنْتَ اِلَّا كَبَشَرٌ
 مِّثْلُنَا اَوَلَمْ نَظُنْكَ لَمَنْ
 الْكَاذِبِیْنَ

دُنْیَا، تِلْكَ آيَاتُ ۝۲۱
 وَاجِزْ اَوْسَلْنَا اِلَیْهِمْ
 اَمْنِیْنَ فَكَذَّبُوْهُمَا فَخُزِّنَا
 بِثَلَاثٍ فَقَالُوا اِنَّا اِلَیْكُمْ
 مَّرْسَلُوْنَ قَالُوا اِنَّمَا اَنْتُمْ اِلَیْكُمْ مَّرْسَلُوْنَ
 اَنْتُمْ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا كَذِبُوْنَ
 دُنْیَا، تِلْكَ آيَاتُ ۝۲۱

نے کچھ نہیں آکرہ تم تو صرف جھوٹے ہو
 مذکورہ بالا آیات شریفہ سے واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو فضائل و کمالات کے جامع القابات کی بجائے اپنے جیسا بشر کہتے کافروں کا دستور ہے نیز جس طرح شیطان مردود نے حضرت آدم علیہ السلام کو حقارت کی نظر سے بشر کہا بالکل اسی طرح کافر قوموں کے سرداروں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو عوام کی منظروں میں معمولی انسان ثابت کرنے کے لئے حقارت کی نظر سے اپنے جیسا بشر کہا تاکہ عوام ان عظیم الشان پیغمبروں کی قیادت کو قبول کر کے ان کی اطاعت و پیروی کرنے میں ترلگ جائیں۔
 اللہ تعالیٰ تمام کلمہ گو مسلمانوں کو ہر رکان دین کے ادبے احترام کی توفیق عطا فرمائے۔

جے ادب بے مراد، با ادب بامراد
 حضور نبی اکرم نور محمد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
 اَیْسَ مَنَّا مَنْ كَمْ يَرْجُو
 صَغِيرًا وَكَبِيرًا
 شَرَفًا كَبِيرًا
 وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے جھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی فضیلت کو نہیں پہچانتا۔

دریاض الصلحین جلال البواری شریف، نوحدی شریف، وقال الترمذی حدیث صحیحہ
 بہر حال شیطان کے واقعہ سے ثابت ہوا کہ پیغمبر کی بے ادبی اور گستاخی کفر ہے جب کہ ہمارے آقا و مولیٰ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبروں کے پیغمبر ہیں اور امام الانبیاء، نبی الانبیاء، خاتم الانبیاء سید المرسلین ہیں۔ ان کی بے ادبی و گستاخی کتا بڑا کفر ہوگا۔

گستاخ رسول کی شرعی سزا کا ثبوت | اب ہم یہاں گستاخ رسول

کی شرعی سزا کے ثبوت کے لئے چار اصولوں سے بحث کریں گے۔ اور یہ تمام بحث حضرت علامہ السید محمد امین الدین آفندی الشہیر ابن العابدین (مصنف رد المحتار عرف فتاویٰ شامی) رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف تنبیہ الولاۃ والحکام علی شاتم تیر الانام (الخ) سے چند اقتباسات کی صورت میں پیش کریں گے۔

پہلا اصول، کتاب اللہ

یعنی قرآن کریم ہے جو سب اہم اور سب کی بنیاد ہے۔

دوسرا اصول، سنت رسول

یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نبویہ ہیں۔

تیسرا اصول، اجماع امت

یعنی علماء دین کا کسی مسئلے پر اتفاق کرنا۔

چوتھا اصول، قیاس

کسی منصوص شرعی کے حکم کو علت مشترکہ کی بنا پر کسی غیر منصوص مسئلہ پر لاگو کر دینا۔

قرآن کریم سے ثبوت

بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

پھر گارے ہوئے جہاں کہیں ہیں، پکڑو

۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اُمَّةً
وَرَسُوْلَهُ لَعْنَةُ اللّٰهِ
عَنِ النَّبِیِّ وَالْآخِرَةِ
وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا جَہَنَّمًا ۙ
۲) وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلًا
اللّٰهُ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِمْ
اٰمَنُوْنَ اٰیَاتُہُمْ فِی الْخِزْیٰ

وَقَتْلُواْ فِیْہِمْ ذُرِّیَّۃً ۙ سَلٰتٌ
قُرْآن کریم کی ان تینوں آیات (نیز ہماری پیش کردہ آیات قرآنیہ) سے ثابت ہوا کہ گستاخ رسول کافر اور مرتد ہے اور نیز ہماری پیش کردہ آیات بآیہا الذین امنوا لا تقولوا لاعنا، اللہ کے نجات حضرت سعد بن معاذ کے واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ، اس کی سزا قتل ہے۔

سنت رسول سے ثبوت

یہاں ترتیب وار چند احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہیں۔
۱) بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ جب قصہ انک حضرت عائشہ صدیقہ پر بہتان تراشی کا حادثہ پیش آیا اور منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے بہتان تراشی کو پروان چڑھانے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں تازیبا الفاظ استعمال کئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبہ میں آپ نے فرمایا۔

اے مسلمانوں کی جماعت، اس شخص کے بارے میں مجھے کون معذور رکھتا ہے جس کی اذیت رسانی میرے اہل خانہ کے بارے میں مجھ تک پہنچی ہے۔

مَنْ یُّعْذُرْنِیْ مِنْ
وَحْلِیْ قَدْ بَلَغَنِیْ
اِذَا ہِیْ اَہْلِیْ

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور عرض کی یا رسول اللہ اس کام کے لئے میں حاضر ہوں اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر ہمارے بھائی قبیلہ خزرج سے ہے تو آپ ہمیں حکم دیں ہم تعمیل حکم میں اس کی گردن مار دیں گے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس بات کی روشن تہدین
 دلیل ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا
 اور دکھ پہنچانے والے شخص کا قتل اعلانیہ واجب ہے پھر حضور نے
 اسے ہر قرار رکھا اور انکار نہ کیا اور نہ یہ فرمایا کہ اسے قتل کرنا جائز ہے
 جس سے ثابت ہوا کہ گستاخ رسول کو اعلانیہ قتل کر دینا واجب ضروری ہے
 سنن ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضرت مصعب بن سعد اپنے باپ
 سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور سرور
 کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو امان دے دی سوائے
 چار مردوں اور عورتوں کے اور ابن ابی سرح بھی انہیں میں سے
 تھا کیونکہ یہ لوگ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس
 میں نازیبا الفاظ استعمال کرتے تھے اور گستاخیاں کرتے تھے، پھر
 جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے لئے لوگوں کو دعوت
 دی تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اپنے رضاعی بھائی)
 عبداللہ ابن ابی سرح کو لے کر حضور کی خدمت اقدس میں پیش کر
 دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ عبداللہ ابن ابی سرح سے بیعت لیجئے تو
 آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور حقوڑی دیر تک اسے غور سے دیکھا
 اور پھر تین لمحے بعد اس سے بیعت لی اور صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو
 کر فرمایا کیا تمہارے اندر ایسا خوش نصیب آدمی نہ تھا جو اس شخص کو قتل
 کر دیتا اور مجھے اس کی بیعت لینے سے روک دیتا صحابہ کرام نے عرض
 کیا یا رسول اللہ ہمیں کیا معلوم آپ کے دل میں کیا ہے اگر آپ اپنی آنکھ
 مبارک سے بھی اسے قتل کرنے کا اشارہ فرمادیتے تو ہم اسے قتل کر
 دیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پیغمبر کے لئے جائز نہیں کہ وہ
 آنکھوں کے اشاروں سے کام لے۔

عنه کیونکہ یہ لوگ حضور کی شان اقدس میں بکواس کرتے تھے اور یہ لوگ
 اور گستاخ گر وہ گیارہ مردوں اور چھ عورتوں پر مشتمل تھے مردوں میں سے چار قتل
 کر دیئے گئے سات محفوظ رہے اور مسلمان ہو گئے یعنی (۱) عبداللہ ابن ابی سرح،
 (۲) عکرمہ بن ابی جہل، (۳) صفوان بن امیہ، (۴) ہبیر بن اسود، (۵) کعب
 بن زہیر، (۶) وحشی قاتل امیر حمزہ، (۷) عبداللہ بن زبیر، اور عورتوں میں سے چار
 قتل کر دی گئیں دو محفوظ رہیں اور مسلمان ہو گئیں یعنی (۱) منہ بنت عتبہ جو الوسفیان کی بیوی
 تھی، (۲) قرینہ جو ابن خطیل کی باندی تھی، (۳) ریحانہ بنت جندبہ، (۴) ریحانہ بنت جندبہ

اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے نیز یہ حدیث مبارک
 ابن سیر کے نزدیک نہایت ہی مشہور و معروف ہے خیال میں رہے کہ
 عبداللہ ابن ابی سرح پہلے مسلمان تھا اور کھنسا پڑھنا جانتا تھا
 حضور نے اسے کاتب وحی مقرر فرمادیا تھا، چنانچہ عبداللہ ابن ابی سرح
 حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھتا تھا پھر مرتد ہو کر مشرک
 بن گیا اور مسلمانوں سے بھاگ کر مکہ مکرمہ میں قریش کے پاس جا پہنچا اور
 اس نے اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ
 میں (رحمت عالم) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو بدل دیا کرتا تھا اور
 میں جو چاہتا لکھ دیتا مثلاً عَزَّوَجَلَّ حَکِیْم کی بجائے عَلَیْم لکھ دیتا تھا
 اور آپ فرمادیا کرتے تھے کہ جی ہاں سب کچھ درست ہے پھر جب مکہ
 فتح ہو گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ابن ابی سرح کو اور
 ایک دوسری جماعت کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا اور فرمایا جہاں جائے
 جائیں خواہ حرم میں خواہ حرم کے باہر ہر حال میں انہیں قتل کر دیا جائے پھر
 اور ان میں بعض مسلمان بھی تھے جو کافر ہو کر مرتد ہو گئے تھے اور کافروں
 سے مل گئے تھے جیسے عبداللہ ابن ابی سرح وغیرہ البتہ حضور نبی اکرم صلی
 اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو مباح قرار دے دیا تھا یہاں تک کہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے لے کر آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا اور پھر زور و اپہل کی کہ اسے معاف کیا جائے اور اس کا اسلام از سر نو قبول فرمایا جائے۔ چنانچہ بار بار اصرار کے پیش نظر حضور نے اس سے اسلام کی بیعت لی اور مسلمانوں میں شامل فرمایا۔ بہر حال یہ واقعہ بلاشبہ و شبہ تو بہ کرنے سے پہلے گناہی کرنے والے کو قتل کر دینے کی مضبوط ترین دلیل ہے۔

نیز تیسری حدیث شریفہ وہ ہے جسے علامہ قاضی عیاض اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم رسول مہتمم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

مَنْ سَبَّ نَبِيَّيَا
فَأَقْتُلُوهُ وَمَنْ سَبَّ
أَصْحَابِي فَأَقْتُلُوهُ
جو کسی پیغمبر کو گالیاں دے اسے قتل کر ڈالو اور جو کسی میرے صحابی کو گالیاں دے اسے خوب مارو دیہاں تک کہ تو بہ کر لے۔

نیز اس روایت کو علامہ خلال اور علامہ ازہجی نے حضرت علی مرتضیٰ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے دوسرے الفاظ میں یوں نقل کیا ہے کہ حضور سرور کائنات فخر موجودات، باعث تخلیقات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ سَبَّ نَبِيَّيَا
قَتْلٌ وَمَنْ سَبَّ
أَصْحَابِي حَبْلٌ
جو کسی نبی کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے اور جو میرے صحابی کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں۔

اجماع امت سے ثبوت

حضرت العلامة ایشخ الامام ابو الحسن تقی الدین علی ابن عبد الکافی سبکی

رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "السیف المسلول" میں لکھا ہے کہ حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

اجْتَمَعَتِ الْأُمَّةُ
عَلَى قَتْلِ مُنْتَقِصَةٍ
مِنَ الْمُسْلِمِينَ
وَسَائِبِهِ

تمام امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں میں سے جو آدمی حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں توہین و تنقیص کرے اور آپ کو گالیاں دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

امام ابو بکر بن منذر
اجتمع عوام اهل السنة
على من سب النبي صلى الله عليه وسلم
عليه وسلم عليه القتل
کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو گالی دے اسے قتل کر دینا واجب ہے۔

حضرت الشیخ مالک، حضرت لیث، حضرت احمد، حضرت اسحاق کا یہی مسلک ہے کہ گستاخ رسول کو قتل کرنا واجب اور ضروری ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ اسے قتل کرنا واجب اور لازم ہے۔

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت سراج اللامہ، امام الامام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے دیگر تلامذہ اور آپ کے پیروکار، حضرت سفیان ثوری، اہل کوفہ اور امام اوزاعی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی مسلک ہے بشرطیکہ توہین کرنے والا پہلے مسلمان ہو۔ حضرت العلامة ایشخ محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اجتمع العلماء على ان
سائبة النبي صلى الله عليه وسلم
وسلمه والنقص له كفر
تمام علمائے دین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا اور آپ کی شان اقدس

وَالْوَعْدُ جَارٍ عَلَيْكَ
يَحْذَرُ اللَّهُ تَعَالَى
لَهُ وَمَنْ شَكَّ فِي كُفْرِهِ
وَعَذَابُهُ كَفٌّ

یقین کرنے والا کافر ہے اور اس پر
اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی وعید
جاری ہے اور جو شخص اس کے کفر میں اور
اس کے عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے

حضرت علامہ ابوسلمہ بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تمام مسلمانوں
میں سے کسی ایک آدمی کے بارے میں بھی نہیں جانتا جو گستاخ رسول کو قتل
کر دینے میں اختلاف رکھتا ہو بلکہ سب مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ
حضور کی شان اقدس میں بکواس کرنے والے کو قتل کرنا واجب ضروری
ہے جبکہ وہ پہلے مسلمان ہو۔

حضرت شیخ الشیوخ اسحاق بن راہویہ جو کہ اکابر ائمہ دین میں سے
ایک امام ہیں (اور امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذ ہیں)
سے یہی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ بلاشبہ جو شخص
اللہ تعالیٰ یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کو گالی دے بکواس کرے یا اللہ تعالیٰ
کی طرف سے نازل کردہ کسی آیت کا انکار
کرے یا کسی پیغمبر کو قتل کر دے وہ کافر
ہے اگرچہ تمام قرآن کریم کو مانتا ہو اور تمام
ضروریات دین کا اقرار کرتا ہو پھر بھی وہ
کافر ہے۔

إِنَّمَا السُّلُوكُ كُنْ مَنْ
سَبَّ اللَّهَ تَعَالَى أَوْ سَبَّ
رَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَوْ كَفَرَ شَيْئًا مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ
تَعَالَى أَوْ قَتَلَ نَبِيًّا مِنْ أَنْبِيَائِهِ
أَلَلَّهِ عَنْكَ وَجَلَّ أَمْنُهُ كَأَمَّنَّ
بِذَلِكَ وَلَنْ كَانَ مُقَرَّبًا إِلَى
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى

قیاس سے ثبوت

خیال میں رہے کہ مرتد کو قتل کرنا اجماع امت اور مخصوص ظاہرہ

سے ثابت ہے جن میں سے ایک نص حدیث نبوی یہ ہے کہ حضور سید عالم
نبی محترم رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنْ مَدَّ يَدَهُ إِلَى دِينِي
فَأَقْتُلُوهُ

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قتل کا حکم دین کی تبدیلی کی
وجہ سے ہے لہذا دین کی تبدیلی علت ہوئی قتل کے حکم کی اور چونکہ گستاخ
رسول بھی گستاخی کر کے مرتد ہو جاتا ہے اور اپنا دین تبدیل کر لیتا ہے
کہ اسلام کی بجائے کفر اختیار کر لیتا ہے لہذا گستاخ رسول میں بھی دین
کی تبدیلی علت قرار پائے گی اسے قتل کرنے کی

بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ عام مرتد اور گستاخ رسول کو قتل کر دینے کی
علت اور سبب مشترک ہے (یعنی دین کی تبدیلی) اس لئے جو حکم عام
مرتد کا ہو گا وہی حکم گستاخ کا ہو گا۔ پس قیاس سے بھی

ثابت ہو گیا کہ جو سزا عام مرتد کے لئے ہے وہی سزا گستاخ رسول کی ہے
خیال میں رہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اپنے ایک
قول کے موافق، رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک گستاخ رسول چونکہ مرتد کے
لہذا مرتد کی طرح اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ یعنی اگر گستاخ رسول
اپنی گستاخی سے رجوع کر لے اور آئندہ کے لئے گستاخی نہ کرنے کا وعدہ

کرے اور گذشتہ بے ادبی پر سچی پکی توبہ کر لے تو اسے معاف کر دیا
جائے گا لیکن اگر توبہ نہ کرے یا توبہ کر کے پھر گستاخی کرے اور بار
بار کرے تو اسے بہر حال میں قتل کر دیا جائے گا۔ نیز یہ حکم مسلمان
گستاخ کے لئے (یعنی پہلے مسلمان تھا پھر گستاخی کر کے مرتد ہوا) اور
کافر عربی گستاخ کے لئے ہے (کافر عربی سے مراد وہ غیر مسلم ہے جو
ہمارے ملک کا شہری نہ ہو بلکہ دوسرے ملک کا کافر باشندہ ہو)

لیکن ذمی کا فرد یعنی جو غیر مسلم ہمارے ملک کی شہریت حاصل کر چکا ہو اور ہماری امان میں ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اسے پہلی مرتبہ گناہی کرنے پر کسی صورت میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ ہماری حفاظت میں ہے اس لئے اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ نیز جب وہ کفر و شرک جیسے بہت بڑے گناہ کے باوجود ہمارے ملک کی شہریت حاصل کر کے ہماری امان میں رہ سکتا ہے تو بے ادبی کی وجہ سے قتل کیونکر کیا جائے گا بلکہ پہلی مرتبہ بطور تحذیر کوئی دوسری سخت سزا دی جائے گی تاکہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے اور ہمارا معاہدہ امن بھی نہ ٹوٹے لیکن اگر وہ پھر بھی باز نہ آئے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت سراج اللامہ امام اللامہ امام اعظم

البوخاریہ رحمہ اللہ علیہ کے موقف پر دلائل

تم کافروں سے فرماؤ اگر وہ داب بھی کفر و شرک اسے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں تو جو کچھ ہو گزرا وہ معاف کر دیا جائے گا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو ہدایت دے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر جیسے قبیح جرم کو اختیار کر لیا ہے حالانکہ وہ پہلے خود ہی گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچا ہے اور آپ کی تعلیمیں ان کے پاس کھلی کتابیں ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّقُوا
يُخَفِّرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَكُوا
(پ ۹، ص ۱۸، آیت ۳۸)

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا
بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ
الرَّسُولَ حَقًّا وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ
وَأَنذَرَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامِ أَظْلَمُ
أُولَئِكَ جَاءَهُمْ أَنْ عَلَيْهُمْ
كَلِمَةُ اللَّهِ وَالْمَلِكَةُ وَالنَّاسُ
أَجْمَعِينَ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ

عَنْهُمْ الْعَذَابَ قَلِيلًا هُمْ
يُنْظَرُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا
مِنْ قَبْلِ ذَلِكَ وَصَلَّوْا
فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

پ ۱۲، ص ۲۳، آیت ۸۸ تا ۸۹

کو ہدایت نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو جس میں بھی شہر پرے رہیں نہ تو ان سے عذاب ہٹا دیا جائے اور نہ انہیں ہدایت دی جائے مگر جنہوں نے اس کے بعد رجوع دل سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیات طہیات مرتدین کے بارے میں نازل ہوئیں جو اسلام قبول کر لینے کے بعد مرتد ہو گئے اور مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں کافروں کے پاس چلے گئے جن کی تعداد دس دس دس تھی تفسیر کبیر اور البیہود میں ہے اسے لے کر بارہ مکہ ہے جیسے تفسیر مظہری اور تفسیر خازن میں ہے جن میں حارث بن سوید انصاری، طعمر بن اسیرق، جعوف بن اسلمت شامل ہیں۔ امام ابو بکر بن منذر اور امام عبد الرزاق نے اپنی اپنی سند میں بیان کیا ہے کہ حضرت حارث بن سوید انصاری پہلے تو حضور ﷺ سے مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں کافروں کے پاس چلے گئے مگر بہت جلد ہی انہیں احساس ہوا اور بہت ہی ندامت و توبہ ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم کے پاس پیغام بھیجا کہ حضور نبی کریم ﷺ روف و رحیم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے تو یہ آیات بنیات نازل ہوئیں جن میں واضح کر دیا گیا کہ مرتدین میں سے جو بھی سچے دل سے توبہ کر لے اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

چنانچہ اس کی قوم میں سے ایک شخص نے اس کے پاس جا کر یہ آیات پڑھ کر سنائیں تو حارث نے کہا اللہ کی قسم تو سچا ہے اور رسول خدا حبیب کبریٰ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے بھی زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں

سے بڑھ کر سچا ہے پھر وہ تائب ہو کر مدینہ منورہ میں آیا اور حضور پر نور
شیخ مجاہد اپنا گاہ یہ کہ اس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر
ہو کر دوبارہ اسلام قبول کر لیا پھر آخر دم تک اسلام پر قائم رہے اور
اسے بہت اچھی طرح نبھایا۔

تَقِيبُ خَزَائِنِ ابْنِ كَثِيرٍ مَقْطُوعِي كَبِيرٍ (ابو سعید، خزانة العرفان)
فَاقْتُلُوا الشِّرْكَاءَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ
وَأَحْصُوا لَهُمْ وَأَقْعُدُوا لَهُمْ
كُلَّ مَرْصِدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا
الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا
بَيْنَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ
(پناہ، ص ۵، آیت ۵)

اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ کفار و مشرکین عمر بھر کی ایذا رسانی
اور زندگی بھر کی سرکشی کے بعد بھی دعوت اسلام قبول کر لیں اور مسلمان
ہو جائیں نیز سچی توبہ کر لیں تو انہیں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ انہیں
اسلامی برادری میں شامل کر لیا جائے گا اور ان کے ساتھ کسی قسم کا
نار و اسلوح نہیں کیا جائے گا۔ پہلے مسلمانوں کی طرح رحمت و مغفرت اور
اس کی رضا کے وہ بھی مستحق ہو جائیں گے۔ معاشرتی، قانونی اور تمدنی
جیہیت سے ان کے وہی حقوق ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔
وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ آمَنَ إِلَهُكُمْ إِلَهُكُمْ
لَسْتُمْ مَوْنًا (پناہ، ص ۵، آیت ۶۳)

واقعہ یوں ہوا کہ حضرت اسامہ کی قیادت میں حضور نے ایک لشکر
روانہ فرمایا کہ کفار کو جب لشکر اسلام کی آمد کی خبر ملی تو وہ بھاگ گئے لیکن
مرد اس نامی ایک شخص جو مسلمان ہو چکا تھا وہ اپنے مال مویشی کے ساتھ

شہر ہرجاء جب مسلمان وہاں پہنچے اور غرہ تکبیر بلند کیا تو اس نے بھی جوا
میں اللہ اکبر کہا اور کلمہ شہادت پڑھتا ہوا پہاڑی سے نیچے اتر آیا
اور انہیں السلام علیکم کہا لیکن حضرت اسامہ نے اس کی پرواہ نہ
کی اسے قتل کر ڈالا اور اس کا رلوڑ ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے اور
بارگاہ رسالت میں سارا ماجرہ بیان کیا حضور بہت رنجیدہ ہوئے اس
وقت یہ آیت نازل ہوئی۔
إِضْيَاءُ الْقُرْآنِ جِلْد اول

اور آئندہ کے لئے مسلمانوں کو اس بات سے منع کر دیا گیا کہ جب
کوئی کافر و مشرک مسلمان ہو جائے اور تمہارے سامنے کلمہ شہادت
پڑھ کر دین اسلام کا اظہار کرے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ خزانہ
تو کر و جب شرک (جو کہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق ناقابل معافی
جرم ہے) اسے کوئی مشرک توبہ کر لے اور سچے دل سے مسلمان ہو جائے
تو اسے قتل نہ کرنا جائز نہیں لہذا گستاخ جو مشرک سے کم درجہ کا مجرم ہے
جب وہ توبہ کرے اور سچے دل سے مسلمان ہو جائے تو اسے قتل نہ کرنا
کیونکہ جائز ہو گا ہرگز نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا
حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد
نہ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ توحید و
رسالت کی گواہی دیں اور نماز قائم
کریں اور زکوٰۃ ادا کریں پس جب وہ
یہ کام کر لیں تو میری طرف سے ان کا
خون اور مال محفوظ ہو چکا۔ ماسوائے
اسلام کے حق کے اور ان کا حساب

أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى
يَشْهَدُوا أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُؤْتُوا
الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
فَإِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي
دَمَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ لَكُمْ بِحَقِّ
الْإِسْلَامِ وَوَجَسْتُ بِمَنْ لِي بِاللَّهِ

بخاری جلد اول مسلم شریف (ابن ماجہ) اللہ تعالیٰ کے دے ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر اپنے کفر و شرک سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائے تو اس کا قتل کرنا حرام ہے یہ حدیث عام ہے کہ وہ کافر پہلے سے کافر ہو یا پہلے مسلمان ہو پھر مرتد ہو کر کافر ہو گیا ہو۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔

يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَيْتَ أَنْ قَتَلْتُ
كَفَّارًا مِّنْ أَكْفَارِ قَوْمِكَ
فَضَرَّكَ جَدِي يَدِي بِالسَّيْفِ
فَقَطَعْتَهُ لَأَنْ دَبَّتْ بِشَجْوَةٍ
فَقَالَ أَسَلِمْتَ لِلَّهِ أَمْ قَتَلْتَهُ
يَا رَسُولَ اللَّهِ لَعَلَّنَا قَاتِلًا
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ قَالَ
قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ قَدْ ظَمَّ
يَدِي ثُمَّ قَالَ ذَاكَ لَعْدُ أَنْ
قَطَعْتَهُ أَمْ قَتَلْتَهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
لَا تَقْتُلْهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ يَسْتُرُ لَكَ
جَلَدًا نَفْسَهُ فَإِنَّكَ يَسْتُرُ لَكَ
قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَةً الْوَيْلُ قَالَ
صحيح مسلم شریف ج اول ص ۷۸

یا رسول اللہ! یہ بتلائے کہ اگر کسی کافر سے میرا مقابلہ ہو اور وہ میرا ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر جب وہ میرے حملہ کی زد میں آئے تو ایک درخت کی پناہ میں آکر کہے میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا ہوں تو میں اس شخص کو اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم اس کو قتل نہیں کر سکتے میں نے عرض کیا حضور اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کلمہ پڑھا ہے تو کیا اب میں اس کو قتل نہیں کر سکتا آپ نے فرمایا تم اس کو قتل نہیں کر سکتے اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ اس درجہ پر ہو گا جس پر تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اس درجہ پر ہو گے جس درجہ پر وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ

اللہ صلیب کبریٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہیں ایک لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور صحیح سویرے قبیلہ جہنیہ کی بستیوں میں پہنچ گئے۔

میں نے ایک آدمی پر حملہ کر دیا تو اس نے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا پھر مجھے اس فعل کے بارے میں دل میں کچھ شبہ سا پیدا ہوا چنانچہ میں نے حضور سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کیا اس شخص کے کلمہ پڑھنے کے باوجود تم نے اسے قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے اپنی جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا جس سے تم کو معلوم ہو گیا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا کہ نہیں حضور یہ کلمات بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کاش میں آج اسلام لایا ہوتا تو کہ اس شخص کے قتل کا گناہ میرے نامہ اعمال میں نہ لکھا جاتا۔

وَبَكَتُ أَجْبَلًا فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَمَنْ قَتَلْتَهُ
فَقَطَعْتُ عَنْكَ قَوْمِي
فَقَالَ بَكَتُ عَنْكَ قَوْمِي
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ وَقَتَلْتَهُ قَالَ قُلْتُ
يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا قَاتِلُهُ حَتَّى
مِنَ الْإِسْلَامِ قَالَ أَسَلِمْتَ
سَقَطَتْ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى ظَنَّمُ
أَنَّ كَلِمَاتِهِ لَمْ تَزَلْ
مَلِكًا رَّحْمَةً عَلَيَّ حَتَّى
تَمْنَيْتُ أَنْ أَسَلِمْتَ
يَوْمَ مَيْدٍ (بخاری)

صحيح مسلم شریف جلد اول
ص ۷۸

یہ دونوں احادیث مبارکہ بھی عام ہیں کہ کافر خواہ پہلے سے ہی کافر تھا خواہ مسلمان تھا پھر مرتد ہو جانے سے کافر ہو گیا جب بھی کلمہ پڑھ کر اسلام کا اہار کرے تو اسے قتل کر دینا جائز نہیں۔

ابن فضیل علامہ ابن عابدین کی کتاب تلبیہ الولاء والبراء علی شاتم خیر الانام میں
ملکہ قطعہ فرمایا ہیں۔

احادیث سے استدلال

حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ ثُمَّ خَلَقَ قُرَيْشَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ ثُمَّ خَلَقَ قَبِيلَهُمْ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ قَبِيلَهُ ثُمَّ خَلَقَ نَفْسَهُ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ نَفْسَهُ فَأَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بَيْتًا.

(مشکوٰۃ و ترمذی شریف)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہترین مخلوق (انسان) میں رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے انہی دو جماعتیں (عرب و عجم) بنائیں مجھے انہیں سے بہترین جماعت (عرب) میں رکھا پھر انہی کے قبیلے بنائے تو مجھے انہیں سے بہترین قبیلہ (قریش) میں رکھا پھر ان کے بہترین گھرانہ (خاندان) بنائے تو مجھے بہترین گھرانہ (بنو ہاشم) میں رکھا لہذا میں اپنی ذاتی شرافت اور خاندانی شرافت کے لحاظ سے تم سب سے بہتر ہوں۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان دو قسم کے ہیں، عرب اور عجم، ان میں سے عرب افضل ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے عرب میں سے پیدا کیا اور عرب کے بہت سے قبیلے بنائے، سب سے افضل قریش ہیں اور مجھے قریش میں سے پیدا کیا پھر قریش میں بہت خاندان بنائے اور سب خاندانوں میں بنو ہاشم افضل ہیں اور مجھے بنو ہاشم میں سے پیدا فرمایا گیا، نیز اللہ تعالیٰ نے ذاتی شرافتیں بھی بخشیں اور بیرونی شرافتیں بھی۔ اس حدیث سے حفاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم، قبیلہ اور خاندان سب سے افضل اور اعلیٰ ہے، لہذا یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ آپ اپنے خاندان میں سے جس جس

دوران میں جلوہ گر رہے ہیں وہ سب موحدا اور مومن تھے کیونکہ کافر وہ ہے جس کو تمام مسلمانوں سے ادنیٰ اور خیریں ترین قوم ہے۔

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُنْتُ مِنْ خَيْرِ قُرَیْشٍ وَبَنِي آدَمَ مَا فَتَقْنَا حَتَّى كُنْتُ مِنَ الْقُرَیْنِ الْأَوَّلَيْنِ

(مشکوٰۃ شریف و بخاری شریف)

میں اولاد آدم میں یکے بعد دیگرے بہترین گروہ میں بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ میں اس گروہ سے ظاہر ہوا ہوں جس میں میں پہلے سے تھا۔

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبد اللہ کا لور مبارک جس جس قبیلہ اور خاندان میں رہا وہ ہمیشہ دنیا بھر میں تمام لوگوں سے بہتر رہا ہے اور اس میں اچھی خصلتیں نیز شرافت و نجابت اور امانت و استقامت ان میں موجود تھیں، نیز یہ کہ جن پشتوں اور شکموں میں یہ لور مبارک رہا ان کا اور کفر و شرک سے محفوظ رہا ہے از حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت عبد اللہ کا کوئی واداد و ادنیٰ وغیرہ کافر و مشرک نہیں ہوئے بلکہ سب موحدا تھے۔

حضرت واثل بن اسحق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم نور محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ نَفْسَهُ مِنْ وَدَّهِ إِبْرَاهِيمَ وَاصْطَفَىٰ قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةٍ وَاصْطَفَىٰ مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ وَاصْطَفَىٰ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ

(مسند شریف، جامع ترمذی شریف)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے نسل اسماعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ بنایا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ بنایا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو برگزیدہ بنایا اور مجھے بنو ہاشم میں سے برگزیدہ فرمایا۔

جامع ترمذی شریف کی دوسری روایت میں یوں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ مِنْ وَلَدِ إِبْرَاهِيمَ

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم

إِسْمَاعِيلَ وَاسْمَعِيلَ مِنْ ذُلِّ
إِسْمَاعِيلَ بَنِي كَنَانَةَ

کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام
کو منتخب فرمایا اور حضرت اسماعیل
اولاد میں سے بنو کنانہ کو منتخب فرمایا

اگرچہ یہ روایت مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کے ساتھ مل جاتی ہے۔

(۳۱) حضرت امام المؤمنین عائشہ صدیقہ عقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت
کہ حضور سید عالم فرما آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ
علیہ السلام کی ربانی یہ ارشاد نقل فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے بیان کیا
میں تمام روئے زمین کے مشرق
مغرب میں گھوما لیکن کسی انسان کو
بھی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ
سے بہتر نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے
کسی خاندان کو بنو ہاشم سے بہتر پایا

(۵) علامہ طبری نے وقائع العقبیٰ میں اور علامہ ابن سعد نے طبقات میں حضرت
عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضور پیر
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

خَيْرُ الْعَرَبِ مُضَرَ وَخَيْرُهُمْ
بَنُو عَبْدِ مَنَافٍ وَخَيْرُهُمْ
عَبْدُ مَنَافٍ بَنُو هَاشِمٍ وَخَيْرُهُمْ
بَنُ هَاشِمٍ بَنُو عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
وَاللَّهِ مَا افْتَرَقَ قَرْنَانِ مُنْذُ
خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ إِلَّا كُنْتُ
فِي خَيْرِهِمَا،

(المحادی بلفاوی ص ۲۰ ج ۲)

(۳۲) علامہ طبرانی اور امام بیہقی نیز علامہ ابو نعیم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی
اللہ عنہ سے حدیث تحریر کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَخَارَ مِنْ
الْخَلْقِ بَنِي آدَمَ وَخَارَ مِنْ بَنِي
آدَمَ الْعَرَبُ وَخَارَ مِنَ الْعَرَبِ
مُضَرٌ وَخَارَ مِنْ مُضَرَ قُرَيْشٌ وَ
خَارَ مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ وَ
خَارَ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ قَائِمًا
مِنْ خِيَارِ آلِي خَبْرٍ

(المحادی بلفاوی ص ۲۰ ج ۲)

بالشہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا
فرمائی تو مخلوق میں سے بنی آدم کو
برگزیدہ فرمایا اور بنی آدم سے عرب
کو برگزیدہ فرمایا اور عرب سے مضر کو
اور مضر سے قریش کو برگزیدہ کیا اور
قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم
سے مجھے برگزیدہ فرمایا پس میں برگزیدہ
لوگوں سے برگزیدہ لوگوں کی طرف
منتقل ہوتا رہا ہوں۔

(۳۳) امام عبدالرزاق نے امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح
سند کے ساتھ حضرت محمدؐ سے انہوں نے حضرت ابن جریرؒ سے روایت بیان
کی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

لَمْ يَكُنْ عَلَى وَجْهِ الدَّهْرِ
أَفْزَعُ سَبْعَةِ مُسْلِمُونَ مُضَرٌ
فُلُوكَ وَأَيْكَ هَلَكْتَ الْأَرْضُ وَمَنْ يَخِ
(المحادی بلفاوی ص ۲۰ ج ۲)

روئے زمین پر ہر زمانے میں کم از کم
سات مسلمان ضرور رہے ہیں اگر ایسا
نہ ہوتا تو زمین اور اہل زمین سب
ہلاک و تباہ اور برباد ہو جاتے۔

علامہ امام عبدالرحمن جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
چونکہ یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی ایسے لئے یہ حدیث
مرفوعہ کے حکم میں ہے اور امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں علامہ
اسحاق ابن ابراہیم الدیرمی سے انہوں نے امام عبدالرزاق سے اس
حدیث شریف کی تخریج کی ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ہمیشہ ہر زمانے میں سات یا کچھ زیادہ مسلمان دنیا میں ضرور رہے ہیں، اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ ہر زمانے کے مسلمانوں میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد شامل ہیں یا نہیں، اگر کہا جائے کہ حضور سید عالم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد ان میں شامل ہیں تو ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ حضور کے صرف والدین کہیں ہی نہیں بلکہ آپ کے تمام آباء و اجداد موحد اور مسلمان ہیں اور اگر کہا جائے کہ آپ کے آباء و اجداد ان مسلمانوں میں شامل نہیں تو دو خرابیاں لازم آئیں گی، ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء و اجداد ان مسلمانوں سے بہتر ہیں کہ نہیں اگر کہا جائے کہ بہتر ہیں تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ مشرک مسلمانوں سے بہتر ہو جائیں اور یہ قرآن کریم اور اجماع امت کے خلاف اور باطل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ بہتر نہیں ہیں تو یہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہے کیونکہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کے تمام آباء و اجداد ہمیشہ اپنے اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل و اعلیٰ اور بہتر و برتر تھے۔

پس ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آباء و اجداد اپنے اپنے زمانے کے مسلمانوں میں شامل تھے اور سب سے بہتر مسلمان تھے۔

اور وہی ہشام بن محمد بن
الکلبی عن ابیہ قل کتبت
للنبی صلی اللہ علیہ وسلم
خمس مائۃ ام فمأجذت
فیہن سفاحا و لا شیا
مما کان من امر الجاہلیہ

والوارثیہ من الموائب اللہیہ

علامہ ہشام بن محمد کلبی نے اپنے والد سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پانچ سو دواویوں کے حالات زندگی کی فہرست لکھی ہے لیکن میں نے انہیں سے کسی میں بھی کوئی بدکاری نہیں پائی اور نہ کوئی ایسی ناپسندیدہ چیز پائی جو عوام طور پر زمانہ جاہلیت میں پائی جاتی تھی۔

اس روایت میں غور کیجیے کہ اس کے پہلے جملے میں معنی فمأجذت فیہن سفاحا میں زنا اور دوسری بدکاریوں کی نفی کر دی گئی ہے پھر آخری جملے میں معنی و لا شیا مما کان من امر الجاہلیہ سے زمانہ جاہلیت کی ہر برائی کی نفی کر دی گئی ہے جب کہ زمانہ جاہلیت میں سر فہرست کفر و شرک اور بت پرستی برائی عام تھی لہذا جب حضور کی دواویوں سے ہر قسم کی برائی کی نفی کر دی گئی ہے تو کفر و شرک کی نفی خود بخود ہو جائے گی پس اس روایت سے ثابت ہوا کہ آپ کی تمام باتیں اور دواویاں کفر و شرک سے بھی پاک تھیں اور دیگر تمام برائیوں سے بھی پاک تھیں۔

(۹) امام بیہقی و امام طبرانی اور امام ابو نعیم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث شریف بیان کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول خدا جدید کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو

قسموں میں تقسیم کر دیا تو مجھے ان دونوں

میں سے بہترین قسم میں رکھا پھر ان

دو قسموں کو تین قسموں میں تقسیم کیا تو

ان اللہ قسم الخلق قسین

فجعلنی فی خیر صما قسما

ثم جعل القسمین امثلا ثا

لجعلنی فی ثلثا ثم جعل

الانفلاک قبائل فجعاف
فی خیرہا قبیلۃ ثم جعل
القبائل بیوتاً فجعلنی فی
خیرہا حیثا فذلک قولہ
تعالیٰ انما یرید اللہ لیزہب
عنکم الرجس اهل البیت
ویطہرکم تطہیرا

والخصائص الکبریٰ جلد اول ص ۳۵

مجھے ان میں سے تیسری بہترین قسم
میں رکھا پھر ان تین قسموں کے قبیلے
بنائے تو مجھے ان بہترین قبیلے میں رکھا
پھر ان قبیلوں کے گھر بنائے تو مجھے ان
کے بہترین گھر میں رکھا۔ پس اسی بناء
پر ارشاد خداوندی ہے اللہ تعالیٰ تو
یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو
کہ تم سے سرنایا کی کو دور فرما دے اور
نقیں پاک کر کے خوب ستھر کر دے

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ حضور نبی کریم روف الرحیم
علیہ التیۃ والتیم کے تمام آباؤ اجداد اور امہات و جدات اپنے اپنے
زمانے کے تمام لوگوں سے بہتر و برتر اور اعلیٰ و افضل تھے اور چونکہ ہر
زمانہ میں توحید پرست مسلمان موجود رہے لہذا آپ کے آباؤ اجداد امہات
تبا اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے بہتر ہوں گے جب یہ موجود و مؤمن
ہوں اور جب وہ بہتر ہیں تو وہ مؤمن بھی ہیں۔

نیز مذکورہ بالا حدیث میں دی گئی آیت کریمہ کا بھی یہی منشا ہے کہ
جس طرح ازواج مطہرات باعتبار سکونت و نکاح اہل بیت میں
شامل ہیں اور حضور کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں ولادت کے اعتبار
سے اہلبیت میں شامل ہیں اور آل فاطمہ نسل نبوی کے لحاظ سے اہلبیت
میں شامل ہیں۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد مذکورہ
بالا حدیث کے مطابق باعتبار نسب رسول اہلبیت میں شامل ہیں اور
اللہ تعالیٰ تو اپنے پیارے حبیب کی عظمت کی خاطر تمام اہل بیت کو ہر
قسم کی بدعتیہ کی اور بدکاری سے پاک رکھنا چاہتا ہے مگر رسول عربی

کے مقام سے بے خبر لوگ سوئے ظن رکھتے ہیں۔
(۱) علامہ بیہقی اور علامہ ابن عساکر نے امام مالک کی شرط پر امام زہری
سے روایت نقل کی۔ انہوں نے حضرت الش رضی اللہ عنہ سے روایت
کی کہ حضور نبی کریم روف الرحیم رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ

ما افترق الناس فقتین
الا جعل فی خیرہا
فاخرجت من بین الیوی
فلما یصبح شیخ من عہد
الجاهلیہ وخرجت من
فکاح واما اخرج من
سفاح من لدن آدم حتی
انتهیت الی امی و امی
فانا خیرکم نقسا و خیرکم
ابا

والخصائص الکبریٰ جلد اول ص ۳۵

لوگوں کے کبھی دو گروہ نہیں ہوتے مگر
مجھے اللہ تعالیٰ نے بہترین گروہ میں
رکھا یہاں تک کہ میں اپنے ماں باپ
سے اس طرح پیدا ہوا ہوں کہ مجھے زمانہ
جاہلیت کی برائی نہیں پہنچی اور خاص
نکاح سے پیدا ہوا ہوں لہذا میں
حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر
اپنے ماں باپ تک کبھی برائی سے پیدا
نہیں ہوا لہذا میں ذاتی شرافت کے
لحاظ سے بھی تم سب سے بہتر ہوں اور
اپنے آباؤ اجداد کے لحاظ سے بھی تم
سب سے بہتر ہوں۔

غور کیجئے کہ اس حدیث مبارکہ میں پہلے عام نفی فرمادی کہ عہد جاہلیت
کی کوئی برائی میرے نسب مقدس کو کبھی نہیں پہنچی۔ یہ فرمان اس بات
کی خود روشن دلیل ہے کہ آپ کے تمام آباؤ اجداد کفر و شرک اور بدکاری
و زنا کاری اور دیگر ہر قسم کی برائی سے پاک تھے اگر عہد جاہلیت کی برائی
کو زمانہ کے ساتھ مخصوص کیا جائے تو دو وجہ سے غلط ہوگا۔ ایک تو یہ کہ
تخصیص بلا محض لازم آئے گی جو کہ باطل ہے دوسرا یہ کہ زمانہ کی تردید

تو حضور نے یہ کہہ کر فرمادی کہ میں خالص نکاح سے پیدا ہوا ہوں پھر
آخر میں حضور نے تمام صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں ذاتی شرف
اور آباؤ اجداد کے اعتبار سے تم سب سے بہتر ہوں اور بے شمار ایسے صحابہ
کرام موجود تھے جن کے مال باپ مسلمان تھے لہذا حضور کے آباؤ اجداد
صحابہ کرام کے آباؤ اجداد سے توبہ بہتر ہوں گے جب وہ خود توحید پرست
مسلمان ہوں پس ثابت ہوا کہ حضور کے تمام آباؤ اجداد توحید الہی کے
قائل اور موافق تھے۔

۱۱۶ علامہ حافظ ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی نے "فضائل العباس" میں حضرت وانکہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ

بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور انہیں اپنا خلیل بنایا اور حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسمعیل کو منتخب فرمایا پھر حضرت اسمعیل کی اولاد میں سے جناب نزار کا انتخاب فرمایا پھر نزار کی اولاد میں سے حضرت مضر کو منتخب فرمایا پھر مضر کی اولاد میں سے جناب کنز کو منتخب فرمایا پھر کنز سے قریش کو منتخب فرمایا پھر قریش میں بنی عبدالمطلب کو منتخب فرمایا پھر بنی عبدالمطلب میں سے مجھے منتخب فرمایا۔

اذا الله اصطفى من ولد
آدم ابراهيم واتخذ
خليله واصطفى من ولد
ابراهيم اسماعيل ثم اصطفى
من ولد اسمعيل نزار ثم
اصطفى من ولد نزار مضر
ثم اصطفى من مضر كنانه ثم
اصطفى من كنانه قريش ثم
اصطفى قريش بنى هاشم
ثم اصطفى من بنى هاشم
بنو عبد المطلب ثم اصطفاني
من عبد المطلب

(المعجم للفقهاء جلد ۲ ص ۲۱)

اس روایت کو علامہ محب الدین الطبری نے اپنی کتاب "فضائل العقبی" میں نقل کیا ہے۔

۱۱۷ علامہ ابوعلی بن شاہان نے ایک روایت تحریر فرمائی ہے جسے علامہ محب الدین الطبری اپنی کتاب "فضائل العقبی" میں نقل کی ہے اور یہ روایت مسند البزار میں منقول ہے اسے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے کہ قریش میں سے کچھ لوگ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہو کر اپنے نسب پر فخر کا اظہار کرنے لگے اور جاہلیت کی باتیں کرنے لگے اس پر حضرت صفیہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو ہم میں سے ہیں یہ کہیں کر انہوں نے تمہارے انداز میں کہا بنجر زمین سے کھجور یا کوئی درخت نمودار ہو گیا ہے چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا ذکر کہ حضرت نبی اکرم رسول ختم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ غضبناک ہو گئے اور حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ تمام لوگوں کو بلا کر اکٹھا کریں پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہو کر ارشاد فرمایا۔

یا ایہا الناس من انا؟
قالوا انت رسول الله قال
النسبونی قالوا محمد بن عبد
بن عبد المطلب قال فما
بالا قولہ من لون اصحابی
فوالله انی لا فضلہم لصلی
وخیرہم موضعا
والمعجم للفقهاء جلد ۲ ص ۲۱
افضل ہوں اور جگہ و مقام کے اعتبار سے بھی ان سب سے بہتر ہوں۔

(۱۳۱) علامہ ابن سعد اور علامہ ابن ابی شیبہ نے "المصنف" میں حضرت امام محمد باقر بن حضرت امام علی راوسط زین العابدین بن حضرت امام حسین سید الشہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم خرد و عالم محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

الناخر جبت من نکاح
ولما اخرج من سفاح
من لدن آدم لم يصبني
من سفاح اهل الجاهلية
شيئ ولا اخرج الله من

والخصائص الكبرى جلد اول ص ۲۵

بلاشبہ میں نکاح ہی سے پیدا ہوا ہوں
اور میں حضرت آدم سے لے کر اب
تک کبھی کسی برائی سے پیدا نہیں ہوا
اور نہ ہی کبھی مجھے زمانہ جاہلیت کے
لوگوں کی کوئی برائی پہنچی ہے اور
میں ہمیشہ پاک لوگوں میں پیدا ہوتا
رہا ہوں۔

(۱۳۲) امام ابو نعیم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق پر انہیں سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اکرم خرم خرم آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لم يخلق ابواي قط على
سفاح لم يزل الله يخلقني
من الصلابة الطيبة الحية
الا بهام الطاهرة مصغرا
وهذا بان تشعب شعبتان
الاهلكت فخرجت حيا

والخصائص الكبرى جلد اول ص ۲۵، مواہب جلد اول ص ۲۵

میرے اجداد کرام نے کبھی بھی بطور نا
ملاپ نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ
پاک شہوتوں سے پاک و صاف اور مہذب
رحم میں منتقل فرماتا رہا ہے اور میرے
خاندان میں جب بھی دو قبیلے سے تو
مجھے ان دو میں سے بہترین قبیلہ میں
رکھا جاتا رہا ہے۔

علمائے اسلام کے اقوال سے استدلال

۱۔ امام قاضی ابوبکر بن عربی جو کہ آئمہ مابکیر سے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ آپ اس

شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
والدین دو رنج میں ہیں آپ نے فرمایا۔

فَهُوَ مَلْعُونٌ يَقُولُهُ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ
يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُ اللَّهُ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ
عَذَابًا مَّهِينًا

(الحادی مفتاوی ص ۲۳ ج ۲)

۲۔ امام المتکلمین علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اسرار التنزیل
میں زیر آیت وَتَقْبَلُكَ فِي السَّاجِدِينَ فرماتے ہیں کہ

قِيلَ مَخَافَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ مِنْ سَاجِدٍ
رَأَى سَاجِدًا وَبِهِدَا الْقَدِيرِ فَأَلْقِيَتْ
وَالْعَلَى أَنْ جَمِيعَ آتَمَاءِ مُحَمَّدٍ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَارْحَمَهُمْ وَسَلَّمَ
كَأَنَّهُمْ سَاجِدُونَ

الحادی مفتاوی ص ۲۳ ج ۲

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ
بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
نور مبارک ایک ساجد سے دوسرے
ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے اس
تقدیر پر یہ آیت اس بات پر دلیل
ہے کہ خطاب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کے تمام آباء و اجداد مسلمان تھے۔

واضح رہے کہ علامہ محمد فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر کبیر میں اس آیت کریمہ کے تحت انیسویں پارے میں اختصار کے ساتھ اور ساتویں پارے میں تفصیل کے ساتھ آیت نمبر ۷۷ یعنی ﴿وَإِذَا قَالُوا بُدِّعُوا بِمِثْقَلِ ذَرَّةٍ مِّنَ الْحَدِيدِ أَلْقُوا أَنفُسَهُمْ﴾ کے تحت اشیع حضرات کی تردید کرتے ہوئے، مذکورہ بالا معنی کے علاوہ متعدد وجوہ ذکر کر کے چند اعتراضات وارو کئے لہذا ان اعتراضات کے جوابات دینے سے پہلے ان تمام وجوہات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ رخصۃ الساجدین سے مراد حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کرام اور امہات طہیات ہیں جو توبہ پرستی کی وجہ سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سجدہ ریزیاں کرتے رہے اور انہی کی اصلاط و احکام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح النور کے منتقل ہونے کو رب تعالیٰ ملاحظہ فرماتا رہا لہذا یہ آیت کریمہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ امہات مسلمان تھے اس سے یہ بات بھی یقینی طور پر ثابت ہوگئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد حضرت تارخ مسلمان تھے۔ علامہ فخر الدین رازی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ دیکر کئی وجوہات کا احتمال رکھتی ہے (جن کا خلاصہ یہ ہے)

۱۔ جب قیام لیل یعنی نماز تہجد کی فرضیت ختم ہوگئی تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رات دھڑکی کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں کا چکر لگایا تاکہ ملاحظہ فرمائیں کہ فرضیت تہجد ختم ہونے کے بعد وہ کیا کر رہے ہیں دُکرام سے سو رہے ہیں یا عبادت الہی میں مشغول ہیں) کیونکہ آپ ان کی طرف سے اطاعات و عبادات بجالانے کے لئے بہت زیادہ خواہشمند رہتے چنانچہ آپ جس صحابی کے گھر کے پاس سے گذرتے تلاوت قرآن کریم، ذکر الہی اور تسبیح و تہلیل کی آوازیں اس طرح سناؤ دے رہی تھیں جیسے

شہد کے چستہ میں شہد کی مکھیاں مضطرب رہی ہوں۔
(۲) جب آپ صحابہ کرام میں جلوہ گر ہو کر اور ان کے ساتھ مل کر انہیں جماعت سے نماز پڑھاتے ہیں اور حالت نماز میں قیام سے رکوع کی طرف اور رکوع سے سجدہ کی طرف گردش کرتے ہیں، ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں۔
(۳) اے حبیب کریم تیری زندگی کا کوئی لمحہ اور کوئی حال اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے یہاں تک کہ جب تو اٹھتا ہے اور سجدہ کرتے والوں یعنی صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ دینی امور کے بجالانے کے لئے گردش کرتا ہے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ تیری ہر حالت کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔
(۴) حالت نماز و جماعت میں اپنے پیچھے نمازیوں کی طرف تہارسی آنکھ مبارک کی گردش کو ہم ملاحظہ فرماتے ہیں کہ تہارسی آنکھ مبارک نہ گئے اور پیچھے یکساں دیکھتی ہے اور اس کی دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فل مبارک ہے جو آپ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم رکوع، اور سجدہ پورا پورا ادا کرو گے میں تمہاری پشت مبارک کے پیچھے بھی دیکھ رہا ہوں۔

اعتراضات و جوابات

اعتراض نمبر ۱۔ یہاں علامہ رازی سے یہ اعتراض کیا ہے کہ لفظ مشترک الساجدین سے ایک وقت مراد بالامعانی مراد لینا جائز نہیں اعتراض نمبر ۲۔ اسی طرح حقیقت و مجاز بیک وقت ایک جگہ مراد نہیں لئے جاسکتے لہذا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کرام کے اسلام پر یہ آیت بطور دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔

(تفسیر و کبیر ج ۴ ص ۲۱۰)

جواب ۱۔ ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ الساجدین مذکورہ بالا معانی کے لئے نہ تو بطور اشتراک لفظی کے استعمال ہوا ہے نہ

نہی حقیقت و مجاز کے طور پر استعمال ہوا ہے کیونکہ اشتراک لفظی میں لفظ
مشتراک اپنے ہر معنی موضوع کے لئے ابتداء و وضع میں الگ الگ موضوع
ہوتا ہے اور حقیقت و مجاز میں پہلے لفظ ابتداء و وضع میں ایک ہی معنی کے
لئے موضوع ہوتا ہے اور یہ معنی اس کا حقیقی معنی ہوتا ہے پھر کسی خاص
مناسبت کی وجہ سے دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ دوسرا
معنی مجازی کہلاتا ہے یہاں لفظ الساجدین نہ تو مذکورہ بالا معنی کے
لئے الگ الگ وضع کیا گیا ہے اور نہ ہی بعض کے لئے حقیقت اور بعض
کے لئے مجازی طور پر استعمال ہوا ہے بلکہ یہ تمام معانی بطور احتمال مراد لئے
گئے ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد مراد لینے والے
معنی کے علاوہ باقی تمام احتمالات تحقیقی لحاظ سے غلط ہیں چنانچہ حضرت
حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی
تفسیر میں لکھا ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ پہلا احتمال تو اس لئے
غلط ہے کہ یہ سورۃ مکہ ہے (یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی) اور
ہجرت سے قبل نماز تہجد والوں کی تفتیش حال کے لئے حضور علیہ السلام کا
ان کے گھروں کا دورہ فرمانا ثابت نہیں بلکہ آپ کا دورہ فرمانا ہجرت کے
بعد مدینہ منورہ میں ہوا تھا دوسرا اور چوتھا احتمال اس لئے غلط ہے
کہ جماعت سے نماز کا اہتمام بھی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔
(ماخوذ بتصرف من تفسیر نور العرفان)

باقی رہا تیسرا احتمال تو اس کا

جواب نمبر ۲ یہ ہے کہ یہاں یہ احتمال مراد لینا مناسب نہیں ہے
کیونکہ اگر تیسرا معنی مراد ہوتا تو قرآن کریم میں مخ الساجدین کی
جگہ مخ الساجدین ہوتا۔

جواب نمبر ۳ دوسرا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا دیگر احتمالات کے

برعکس یہاں مطابقت کی صورت بھی نکل سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے پہلے اللہ تعالیٰ آپ کے
آباؤ اجداد کرام کی پشتوں میں اور آپ کی امہات طہیات کے شکموں میں
آپ کی گردش کو یکے بعد دیگرے دیکھتا رہا اور اعلان نبوت کے بعد اپنے
سحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ دینی امور (غزوات وغیرہ) کے ہجرا
لانے میں آپ کی گردش کو دیکھتا رہا۔

جواب نمبر ۴ یہ ہے کہ جب جمہور علمائے اسلام اور صوفیائے کرام اس
آیت کریمہ سے حضور سید عالم نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے
آباؤ امہات مراد لئے ہیں تو باقی تمام احتمالات خود بخود ختم ہو گئے۔
قَالَ هَذَا عَلَى ذَلِكَ

میں خیال رہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ولادت باسعادت کے
بعد اور اعلان نبوت سے پہلے کے عرصہ میں مشرکین میں رہے سوائے چند
مصدقین کے جیسے حضرت درفہ بن اوفیل و حضرت عذیرہ الکبریٰ، حضرت
سیدہ آمنہ، عمار بن ابو ریش، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت زید
بن عمر بن نفیل، قیس بن سعدہ ایادی وغیرہ۔

نیز اسی مقام پر مندرجہ ذیل آیت مبارکہ

وَرَأَيْتُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ
أَتَّخِذُ أَصْنَامًا لِلَّهِ ۖ الْخُفَّ
أَرَاكَ وَكَوْمَكَ فِي صَلَاحٍ
قَبِيْلٍ

رپ، ب، آیت ۱۴

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے
باپ آذر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا
بناتے ہو بے شک میں تمہیں اور
تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا
ہوں۔

کے تحت علامہ محمد فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
کے لئے آذر کے باپ نہ ہونے پر چند بہترین دلائل قائم کر کے دہلی تفسیر
حضرات کی ترویج کے جو ش میں چند ایک شکوک بھی وارد کر دیئے ہیں
جن کے جوابات دینا نہایت ضروری ہے لہذا پہلے علامہ رازی کی طرف
سے دیئے گئے دلائل اور شکوک ذکر کئے جاتے ہیں۔ بعد ازاں ان شکوک
کے جوابات دیئے جائیں گے۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اس مذکورہ بالا آیت کریمہ میں حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے آذر کو سخت اور تکلیف دہ دل آزار گفتگو کے ساتھ
خطاب کیا ہے جب کہ اپنے والد کے ساتھ دل آزار اور ہتک آمیز گفتگو
کرنا جائز نہیں پس یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن ترین دلیل ہے کہ
آذر باپ کے والد یعنی حقیقی باپ نہیں تھے باقی یہ بات کہ حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے آذر کے ساتھ اس آیت میں دل آزار اور ہتک آمیز
گفتگو کی ہے تو اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں لفظ آذر کو دوسری
قرأت میں ضمہ اپیش کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور اس وقت یہ ندا پر مبنی
ہوگا یعنی اصل میں یوں عبارت تھی۔ "یا آذر" (اے آذر) حالانکہ اپنے

والد کو اس کے اصل نام کے ساتھ ندا کرنا (بلانا) بے ادبی اور
کٹختی ہے۔

دوسری وجہ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اِنِّیْ اَرَاکَ
وَمَکَ فِي صَلَاحٍ قَبِيْلٍ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی
گمراہی میں پاتا ہوں۔ حالانکہ اپنے والد کو گمراہ اور بے دین کہنا سخت
دل آزار تکلیف دہ اور بے ادبی و کٹختی ہے پس ثابت ہو گیا کہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے آذر کے ساتھ دل آزار اور ہتک آمیز رویہ اختیار
فرمایا ہے لہذا حضرت ابراہیم کا آذر کو اس کے اصلی نام کے ساتھ ندا کرنا
اور اسے گمراہ اور بے دین کہنا اس بات کی روشن ترین دلیل ہے کہ آذر
آپ کے والد نہیں تھے باقی یہ بات کہ اپنے والد کو ظلم و زیادتی اور
بے ادبی کے ساتھ مخاطب کرنا اور ان سے ہتک آمیز گفتگو کرنا ناجائز
نہیں بلکہ بیٹے کے لئے ایسا کرنا حرام ہے اس کی کئی وجہ ہیں۔

پہلی وجہ۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں
ارشاد فرمایا ہے

وَقَضَىٰ رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا

اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالنَّوْلِ الذِّیْنَ اَحْسَنَّا

رپ، ب، آیت ۱۳

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا ہے کہ

اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو

اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو

علامہ رازی فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ کا فہم و اسلم و افول فہم کے

ماں باپ تو نازل ہے لہذا ماں باپ سب سے پہلے کافر ہوں پھر ماں
میں ان کے ساتھ نیک سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا واجب و پر فرض ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ اسی آیت پر
ارشاد فرما رہا ہے۔

پس ان سے ہوں (بھی) نہ کہنا اور

انہیں نہ ہی چھڑکنا اور ان سے

فَلَا تَقُلْ لِّهِنَّ اَفْ وَاَنْ

تَقُلْنَ لِهِنَّ اَفْ وَاَنْ

کہنا

تعلیم کی بات کہنا۔

علامہ رازی فرماتے ہیں کہ اس حصے میں بھی حکم عام ہے لہذا والدین مسلمان ہوں خواہ کافر ہوں ان سے نازیباں اخفاظ استعمال کرنا یا بھگڑنا مکمل ہے۔
ان تک کہنا بھی حرام ہے کیونکہ ان سے نرم طریقہ اور معیضہ سے بھرپور باادب گفتگو کرنا اولاد پر فرض ہے۔

دوسری وجہ - دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو انہیں فرعون کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے
فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ
پس اس سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ نصیحت قبول کرے یا کچھ ڈرے۔

دراصل اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان کے کچن میں پرورش کی تھی حق تربیت ادا کرنے کیلئے نرم رویہ کے ساتھ گفتگو کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا لہذا اگر آذر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہوتے تو انہیں بھی اس کے ساتھ نرم طریقے سے گفتگو کرنے کا حکم بطریق اولیٰ دیا جاتا۔

تیسری وجہ - تیسری وجہ یہ ہے کہ نرمی کے ساتھ دعوت حق دینا دلوں میں زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے جبکہ سختی کے ساتھ تبلیغ کرنے سے لوگ متنفر ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم فر آدم و

بنی آدم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نرم طریقے سے تبلیغ کرنے اور دعوت حق دینے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔
ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ
اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ کی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور نہ

وَالنُّوعَظَةَ الْحَسَنَةَ وَ

جاءوا لکھن بالحق ہی اُخس
پس اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

لہذا اگر آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہوتے تو آپ کسی صورت میں اس کے ساتھ حق کی دعوت دینے میں سختی کا رویہ اختیار نہ فرماتے کیونکہ ایسا کرنا آپ کے لئے مناسب نہ تھا۔

چوتھی وجہ - چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت طیبی اور برواری کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے
إِنَّا ابْنَاهُ خَلِيمًا وَأَوْثَقْنَا بِرَبِّكَ
پس تم ابراہیم محل والا بہت پسند کرتے والو رجوع کرنے والے
پس اس سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ نصیحت قبول کرے یا کچھ ڈرے۔

اس آیت مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت بروہار بلند حوصلہ، تحمل مزاج، خوف خدا میں آپس بھر کر رونے والے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے پیغمبر تھے تو ایسے بلند حوصلہ تحمل مزاج خلیل خدا کے لئے کیونکر مناسب ہوتا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ اس قسم کا دل آزار اور تنگ آمیز رویہ اختیار فرماتے لہذا ان چار وجہوں سے ثابت ہو گیا کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ تھے والد نہ تھے بلکہ وہ آپ کے چچا تھے کیونکہ آپ کے والد عترم حضرت اسحاق تھے اور لفظ حقه دچا کی جگہ پر لفظ آب دیا پ آپ عرب میں بولا جاتا ہے

جیسے اردو اور پنجابی میں دادا ابو تلیا ابو اور چچا ابو لولتے ہیں، جیسا کہ ہم بھی ذکر کر رہے ہیں کہ علامہ رازی نے اس مقام سے کچھ پہلے لکھا ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے تو سب نے جواب دیا۔

قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَاللَّهُ

بولے ہم پوچھیں گے اسے جو خدا

اَبَا اَبِيكَ اَبَا اَهِيْمَةَ وَاسْمَاعِيْلَ قَرْنُطُو
 آپ، سہ، آیت ۱۱۳۳ | ہے آپ کا اور آپ کے آبا ابراہیم

و مکھو یہاں اولاد یعقوب نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب
 علیہ السلام کا باپ قرار دیا ہے حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت
 یعقوب علیہ السلام کے باپ نہ تھے بلکہ چچا تھے (پس قرآن کریم سے ثابت
 ہو گیا کہ چچا کو باپ کہہ دیا جاتا ہے یونہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
 چچا کو باپ کہہ کر مخاطب کیا، علاوہ ازیں خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ
 وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا باپ فرمایا ہے۔
 پشاور آپ کا ارشاد ہے۔

نُذِرًا لِّعَلَّكَ اَكْبَىٰ - میرا باپ (عباس) مجھے لوٹا دو۔

(تفسیر کبیر جلد چہارم ص ۷۷ طبع دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ - ۱۹۷۸ء)
 یہ تھے امام رازی کی طرف سے دیئے گئے وہ دلائل جن سے ثابت ہوا
 کہ آذر حضرت ابراہیم کے والد نہیں تھے بلکہ چچا تھے۔

خیال رہے کہ اس جگہ علامہ رازی نے مذکورہ بالا متحکم دلائل پر دو
 بوگس قسم کے شکوک وارد کئے ہیں جو کہ آپ جیسے متبحر عالم دین کے لئے شان
 شائع نہیں تھے۔ بہر حال ہم ان کے شکوک کو اعتراضات کی شکل میں ذکر کر کے
 جوابات دیں گے جس سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ شکوک و شبہات خود قرآن
 کریم کے بیان کے مطابق غلط ہیں۔

پہلا اعتراض - علامہ رازی فرماتے ہیں کہ نذر کی صورت میں اگرچہ
 منادی رجبے پکارا جائے، کو اس کے اصلی نام کے ساتھ پکارنا اس کی
 بے ادبی و گستاخی ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ایسی گفتگو
 کرنی جائز تھی کیونکہ آذر کفر پر ڈٹا ہوا تھا اور وہ کفر پر اصرار کرتا تھا
 اور ایسے شخص کے ساتھ سختی و درشتی سے پیش آنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ
 بہتر ہے۔ (تفسیر کبیر جلد چہارم ص ۷۷)

پہلا جواب - اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ خود علامہ رازی قرآن مجید
 کا فرمان پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ والدین کے ساتھ
 نیک سلوک کرو نیز علامہ رازی یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ آیت بتیہ کا فراور
 مسلم و لؤلؤ قسم کے مال باپ کو شامل ہے لہذا مال باپ مسلم ہوں خواہ
 غیر مسلم ہوں بہر حال میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا اولاد کیلئے لازمی
 اور ضروری ہے تو حضرت ابراہیم کے لئے یہ کیسے جائز ہو گا کہ اپنے حقیقی
 باپ کی بے ادبی اور گستاخی کریں پھر علامہ رازی قرآن مجید کی اسی آیت کا
 اگلا حصہ نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

" مال باپ کو ایتام نہ کہنا اور نہ ہی انہیں بھڑکانا اور ان سے محبت
 بھرے انداز میں تعظیم کی بات کرنا۔"

علامہ رازی نے یہاں بھی لکھا ہے کہ یہ آیت شریفہ بھی کافر و مسلم
 ہر قسم کے مال باپ کو عام ہے یعنی مال باپ مسلمان ہوں خواہ کافر ہوں انہیں
 ایتام بھی نہ کہنا اور انہیں کسی صورت میں بھی نہ بھڑکانا بلکہ ان سے ہر
 حال میں نرم طریقے سے محبت و پیار کے ساتھ باادب گفتگو کرنا ضروری
 اور لازمی ہے خواہ وہ نافرمان مسلمان ہوں خواہ کفر پر اصرار کرتے والے
 کافر ہوں لہذا مال باپ کی بے ادبی و گستاخی کرنا یا ان سے دل آزار، اور
 بہتک آمیز گفتگو کرنا کسی صورت میں جائز نہیں بلکہ حرام ہے، ہاں البتہ اگر

ماں باپ اولاد کو کفر و شرک کی دعوت دیں یا شریعت محمدیہ علیہ التحیۃ و
النساء کے خلاف کوئی حکم دیں تو اولاد کے لئے اسے ماننا ہرگز جائز نہیں بلکہ
اس صورت میں انکار کرنا لازمی ہو جائے گا یونہی اگر ماں باپ اسلام کو
مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان جنگ میں آجائیں تو ان کو قتل کرنا اولاد کے
لئے بھی جائز ہے لیکن ان صورتوں میں بھی ماں باپ کو اسلام قبول کرنے کی
دعوت دینا اور اسلام کی بغاوت سے باز رکھنے کے لئے نصیحت کرنا اور
سمجھانا اولاد پر فرض ہے

بہر حال علامہ رازی کا یہ شبہ اور اعتراض قرآن کریم کے خلاف ہے
اس لئے ناقابل قبول اور باطل ہے۔

دوسرا جواب۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نرم رویہ کے ساتھ دعوت حق دینا
لوگوں کے دلوں میں زیادہ موثر ہوتی ہے جبکہ سخت رویہ کے ساتھ تبلیغ
کرنے سے لوگ متنفر ہو جاتے ہیں اور دین حق کو قبول کرنے کی بجائے دور
بھاگتے ہیں لہذا ایسی صورت میں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور زیادہ
خود داری تھی کہ اگر جیسے سخت کافر کے ساتھ نہایت نرمی اور محبت و پیار
سے پیش آتے لیکن آپ کا نرمی کی بجائے سختی سے پیش آنا دو باتوں کی طرف
اشارہ کرتا ہے ایک بات یہ کہ اگر آپ کے حقیقی باپ نہ تھے ورنہ زندگی بھر
بہر حال میں انکی تعظیم کرتے اور سختی کی بجائے نرمی کرتے۔ دوسری بات یہ ہے
کہ آپ من جانب اللہ کے ارکان سے مایوس ہو چکے تھے اور آپ جان چکے
تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے کبھی راہ راست پر نہیں آئے گا لیکن حق
تبلیغ ادا کرنے کے لئے بھی نرمی سے اور کبھی سختی سے تبلیغ فرماتے رہے اور
اسے مسلسل نصیحت فرماتے رہے اور اس کے لئے استغفار کرتے رہے یہاں
تک کہ جب وہ کفر کی حالت میں مر گیا تو اس سے بیزار ہو گئے اور پھر کبھی

اس کے لئے دعائے مغفرت نہ کی۔

چنانچہ خود قرآن کریم سے بھی اس بات کی تصدیق و تائید ملتی ہے جیسا کہ
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ
تَبَيَّنَ أَنَّهُ ابْنُ ابْنَتِ هَيْمَةَ
كَوْنَهُ حَبْلِيْنِمَ

جب ابراہیم پر یہ راز کھل گیا کہ وہ
اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار
ہو گئے۔ بیشک ابراہیم ضرور آپس
کرنے والا قتل ہے۔

دپ ۱، س ۹، آیت ۱۱۴

خیال رہے کہ حضرت حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ علیہ
جو صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت علامہ السید مفتی محمد نعیم الدین صاحب
المراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر خزائن العرفان کے فیض یافتہ شاگرد
رشید ہیں انہیں پہلے پاس میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۸۳ کے تحت
اشرف التفسیر المعروف یہ تفسیر نعیمی میں والدین کے مقام و منزلت اور
تعظیم و تکریم کے بارے میں مقررہ جامع احکام ذکر کئے ہیں جن کو یہاں نقل
کئے دیتا ہوں تاکہ قارئین کرام ان احکام کی روشنی میں خود اندازہ فرمائیں کہ
اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ اور بھتیجے تو آپ کسی صورت میں
انکے ساتھ سختی و درستی سے پیش نہ آتے۔

چنانچہ قبلہ مفتی صاحب فرماتے ہیں۔

ماں باپ کی اطاعت میں چند ہدایات

ماں باپ کی اطاعت میں چند ہدایتوں کا خیال رکھو۔

پہلی ہدایت۔ اگرچہ ماں اور باپ دونوں کی اطاعت لازم ہے لیکن
چونکہ ماں بچے کو اپنا خون پیلا کر پالتی ہے اور باپ نے نہ پلا کر اس کے لئے
مال کا حق خدمت باپ سے سات گنا زیادہ ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ تو
اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے دوسری روایت میں ہے کہ جنت تمہاری

ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

دوسری ہدایت۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر مال باپ کی بھی اطاعت اور تعظیم کریں اس لئے کہ یہاں والدین میں ایمان کی قید نہیں لگائی گئی نیز انکی اطاعت حق پرورش کی وجہ سے ہے اور یہ حق تو کافر مال باپ میں بھی ہے۔

تیسری ہدایت۔ والدین کے ساتھ احسان تین قسم کا ہے ایک یہ کہ اپنے قول و فعل سے انکو تکلیف نہ پہنچائے دوسرے یہ کہ بدن و مال سے ان کی خدمت کرے تیسرے یہ کہ جب وہ بلائیں تو فوراً حاضر ہو جائے پہلی اطاعت بہر حال واجب ہے کہ ماں باپ کو ایذا اور تکلیف دینے والا عاقل اور نافرمان کہلاتا ہے دوسری اطاعت جب واجب ہے کہ ماں باپ حاجت مند ہوں اور اولاد میں اس خدمت کی قدرت بھی ہو اگر انہیں حاجت نہیں یا اولاد میں طاقت نہیں تو اس قسم کی اطاعت بھی واجب نہیں تیسری قسم کی خدمت کی یہ شرط ہے کہ انکی خدمت میں حاضر ہونے سے کوئی شرعی خرابی پیدا نہ ہو اگر نماز کا وقت جارہا ہے ادھر ماں باپ بلا رہے ہیں تو ان کے پاس نہ جائے بلکہ پہلے نماز پڑھے۔ چوتھی ہدایت۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا جو حدیث مبارکہ میں آیا ہے وہ یہ ہے۔

(۱) ان سے دلی محبت رکھے۔

(۲) بات چیت اور اٹھنے بیٹھنے میں ان کا ادب کرے کہ راستے میں ان کے آگے نہ چلے اور ان کو نام لے کر نہ پکارے بلکہ ادب سے بلائے۔

(۳) جہاں تک ہو سکے اپنا مال و جان ان پر خرچ کرے۔

(۴) ہر کام اور ہر بات میں انکی رضا مندی کا خیال رکھے۔

(۵) ان کے مرتکبے بعد ان کی وصیت پوری کرے۔

(۶) ان کے لئے بشرط ایمان دعائے مغفرت کرے۔

(۷) ان کے لئے کبھی کبھی صدقہ و خیرات کتا رہے۔

(۸) ہر ہفتہ میں انکی قبر کی زیارت کرے۔ اور اگر ہو سکے تو سورۃ یٰسین پڑھ کر ان کو بخشے۔

(۹) ان کے دوستوں اور قرابت داروں سے محبت رکھے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے سعادت مند بچے اپنے ماں باپ کے دوستوں کو ان کے بعد ماں باپ کی جگہ سمجھتے ہیں۔ (تفسیر عذیری)

پانچویں ہدایت۔ اگر ماں باپ گناہ کرنے کے عادی ہوں یا کسی بدعتی میں گرفتار ہوں تو ان کو نرمی کے ساتھ راہ راست پر لانے کی کوشش کرے چھٹی ہدایت۔ اگر ماں باپ کافر یا منافق بھی ہوں تب بھی ان کا حق مادری و پدری ادا کرے اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔

حضرت خظلہ رضی اللہ عنہ کا باپ ابو عامر سخت کافر تھا آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے قتل کی اجازت چاہی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت نہ دی۔ (تفسیر کبیر و عذیری)

ساتویں ہدایت۔ جب ماں باپ کا اللہ تعالیٰ اور رسول کریم سے مقابلہ ہو جائے تو اس وقت نہ ماں باپ کا لحاظ ہوگا اور نہ قرابتدار کا، مثلاً ایک جنگ میں بیٹا غازی بن کر اور باپ کافروں کی طرف سے آیا ہے تو اب اس کے حق پدری کا لحاظ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور جناب رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق سب سے مقدم ہے اسی لئے جنگ

احد میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ جراح کو قتل کیا اور جنگ بدر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبد الرحمن کو جو اس وقت کافر تھے اپنے مقابلہ کے لئے بلایا اور

حضرت علی مرتضیٰ حضرت امیر حمزہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم نے

اپنے اہل قرابت عقبہ اور شعیبہ اور ولید کو قتل کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص ابن ہشام کو قتل کیا۔

(تفسیر خزان القرآن سورہ مجادلہ)

جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ہر مسلمان اپنے قرابت دار قیدی کو قتل کرے اس کی قرآن کریم میں تائید فرمائی۔

دیکھو سورہ انفال نو لَکُمْ مَنَاصِبٌ مِّنْ اَمْلِهِ سَبَقَ اِلَیْهِ خُلَاصَہ یہ ہے کہ کافر باپ کی بھی اطاعت ضروری ہے مگر ان کا حق اللہ تعالیٰ اور جناب رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق مقدم ہوگا صحابہ کرام کا اپنے کافر باپ کی اطاعت کرنا اور یا انہیں قتل کرنا مختلف موضوعوں کے لحاظ سے ہے دوسرا اعتراض علامہ رازی نے دوسرا شبہ یہ وارد کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ نرم رویہ سے تبلیغ کرنے کے حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھٹے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے اس لیے یہ مقام سختی کرنے کا نہیں تھا بلکہ فرعون کو نرم رویہ سے تبلیغ کرنے کا مقام تھا اس لئے آپ کو نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا (تفسیر کبیر جلد چہارم ص ۷۳)

جواب علامہ رازی کا یہ فرمان کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم پر اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے یہ بالکل باطل اور غلط ہے کیونکہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون سرکش ہو چکا ہے لہذا ید بیضار اور عصائے مقدس کے معجزات لے کر ان کے پاس جاؤ اور اسے توحید کی دعوت

دو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ یا اللہ میری زبان میں لکنت ہے لہذا میرے ساتھ میرے بھائی حضرت ہارون کو نبوت عطا فرما کہ میرا معاون بنا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے کرم فرمایا کہ حضرت ہارون کو منصب نبوت پر فائز فرما دیا پھر دونوں حضرات کو خدا کی دعوائے کرنے والے سرکش فرعون کے پاس بھیجا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِذْ هَبْ اَنْتَ وَ اَخُوكَ بِاٰیٰتِنَا
وَلَا تَنْفِیَا فِیْ ذٰلِکَیْنِ اِذْ هَبَا
اِلَیْهِمَا فَعَزَّوْا بِاٰیٰتِنَا طٰغَوْا فَعَزَّوْا
لَکَ قَوْلَا لَیْسَ لَکُمَا یَتَدَلَّلُوْا
بِیَحْشٰی

(چپا، س ۲، آیت ۴۴ تا ۴۷)

تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا، دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک اس نے سرکشی کی، پس اس کو نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ نصیحت قبول کر لے یا کچھ دے

ان آیات طیبات سے واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں حضرات فرعون کے پاس تبلیغ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے علاوہ ازیں بنی اسرائیل تو اس وقت فرعون کے قبضہ میں غلامانہ زندگی گزار رہے تھے لہذا فرعون کے پاس جاتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم پر خلیفہ کیسے بنا سکتے تھے علامہ رازی کی یہ عبارت حسن ظن کے پیش منظر تسلیم پر ہی مبنی قرار دی جاسکتی ہے۔

در اصل جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات شریفین لینے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے جانے لگے تھے تو اس وقت آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی واپسی تک اپنا عارضی خلیفہ بنا کر گئے تھے جو بہت بعد کا واقعہ ہے۔

۳ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اسی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وَأَسْتَدِلُّ بِأَنَّ قِيَّةَ عَلَى إِيْمَانِ الْكُفَرِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا وَهَبَ
إِلَيْهِ كِتَابَهُ مِنْ أَجْلِ أَهْلِ السُّنَّةِ
أَنَا أَحْسَنُ الْكُفَرِيِّ عَلَى مَنْ يَقُولُ
فِيهِمَا قَضَى اللَّهُ عَنْهُمَا عَلَى رَحِمِهِ
عَلَى الْقَارِي وَآخِرُ بَعْ

اور اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان پر جیسا کہ اہل سنت علماء کی اکثریت اس مسئلہ پر ہے اور میں تو دو تائیدوں کہ آپ کے والدین کو کافر کہنے والے کہیں خود کافر نہ ہو جائیں جیسا کہ ملا علی قاری اور ان کے پیروں جو اس پر پلندہ ہیں۔

تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۱۱۴

خیال رہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول سے بعد میں رجوع کر لیا تھا۔

۴ عارف باللہ علامہ شیخ احمد بن محمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
وَالْمُحَنَّى يُوَدُّكَ مُتَقَلِّبًا
أَصْلَابٍ وَأَنْحَاءِ الْمُؤْمِنِينَ
مَنْ آوَى إِلَى عَيْدِ اللَّهِ فَاصْطَلَفَ
جَنَّتْهَا مُؤْمِنُونَ

تفسیر صاوی ص ۱۴ ج ۳

۵ علامہ قاضی ضیاء اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں
الْمُرَادُ مِنْهُ تَقَلُّبُكَ
أَصْلَابِ الظَّاهِرِينَ السَّاجِدِينَ

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ طاہرین ساجدین اللہ کے اصلا بے طاہرات

بَلَدٌ إِلَى أَنْحَاءِ الظَّاهِرِينَ السَّاجِدِينَ
وَمِنْ أَنْحَاءِ السَّاجِدِينَ إِلَى أَنْحَاءِ
الظَّاهِرِينَ الْمُوَحِّدِينَ وَالْمُوَحِّدَاتِ
حَقٌّ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ آبَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفَرَاءٌ كَانُوا
مُؤْمِنِينَ

تفسیر منہج ص ۱۴ ج ۷

ساجدات کے ارحام کی طرف اور پاکیزہ عورتوں کے رحموں سے پاکیزہ مردوں کی پشتوں کی طرف یعنی توحید پرست مردوں اور توحید پرست عورتوں میں منتقل ہوتے ہیں یہاں تک کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد مومن تھے۔

(۶) محقق علی الاطلاق علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
وَحَدِيثُ أَحْيَاكَ وَالِدَيْنِ أَكْرَمُ وَرَدِ
ذَاتِ خَوْضٍ ضَعِيفٍ اسْتَبْرَحَ
وَتَحْمِينُ كَرَاهَةِ أَنْزَا بَعْدَ وَطَرِ
وَالِيسَ عِلْمُ كَوْنِ مَسْتَوْرٍ بِوَدَائِمْ مُتَقَدِّمِينَ
بِإِسْكَافِ كَرَاهَةِ أَنْزَا حَقِّ تَعَالَى
بِرِئَاسِ خَرِينِ

اپنی خوب تحمیں کی ہے گویا یہ علم والدین کے ایمان کا متقدّمین سے پوشیدہ، پھر یہ علم اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر منکشف فرمایا اور انہیں اپنے فضل و کرم سے جسے جتنا چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص فرما لیتا ہے۔

وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ
مَنْ يَشَاءُ لِمَا شَاءَ مِنْ
فَضْلِهِ
(اشق المعاني ص ۱۴ ج ۱)

(۷) مفتی مکرم علامہ سید احمد زبیری شاہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
فَرَادَا سُبُلَ الْعَبْدِ عَنِ الْكَوْنِ
السَّابِقِينَ فَلْيَقُلْ هَذَا نَاجِيَانِ فِي

پس جب بھی کسی مسلمان آدمی سے حضور کے والدین کے متعلق سوال کیا

الْجَنَّةِ (مَا لَكُمْ لَهَا أَحِبَّيَا حَتَّى
أَتَاكُمْ بِهَا كَمَا جَدَّكُمْ بِهِ الْخَافِظُ
الشَّهَادَةِ وَالْقَضِيَّةِ وَالْمُحَافَظَةِ
الْمُشَقِّقَةِ وَغَيْرِ هَذِهِ مِنَ
الْحَقِيقَاتِ وَإِنَّمَا لَهَا مَا تَأْتِي
الْفَتْرَةَ قَبْلَ الْبَعْدَةِ وَكَذَلِكَ
قِيلَ

(سیرت نبویہ عاشیہ سیرت علیہ
ص ۱۲۰)

جائے تو وہ آدمی یوں کہہ دے کہ وہ
دو لڑکے جن سے نجات یافتہ اور جنتی
ہیں یا تو اس لئے کہ وہ دونوں زندہ
کئے گئے یہاں تک حضور پر ایمان لائے
جیسا کہ علامہ سیوطی و علامہ قرطبی و علامہ
ناصر الدین دمشقی وغیرہم نے اس پر
جزم و یقین کیا ہے یا اس لئے کہ
وہ دونوں بعثت و اعلان نبوت سے
پہلے زمانہ فقرت میں امتثال فرما گئے
اور بعثت سے پہلے لوگوں کو عذاب
نہیں ہوگا۔

أَبُو الْيَقِينِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَيْسَ فِي نَجْمٍ
لَا فِي لَوْحٍ لَكُنَّا قَدْ يُقَالُ
حَقُّهُ أَنَّهُ مُخْتَارٌ وَلَا كَيْفَ
لَا ظَاهِرٌ بَلْ يَحْسَبُ وَقَدْ
رَجَحَتْ الْأَحَادِيثُ بِأَنَّكُمْ
مَارَعَدًا وَإِنَّ الْأَنْبَاءَ
لَا وَالْأَنْبَاءَ لَا هَرَاتٍ
وَالْمُحَافَظَةُ قَالَتْ لَعَالِي وَتَقْبَلُكَ
فِي السَّاجِدِينَ عَلَى أَحَدٍ
الْقَابِلِينَ فِيهِ أَنْ الْعَوْدَ
تَقُلُّ قَوْلَهُ مِنْ سَاجِدٍ
وَجَيْدٍ قَدْ مَدَّ يَدَهُ
إِنَّ الْيَقِينَ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَنَةٌ وَ
عَلَى اللَّهِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ
لَا تَقْدَرُ الْقَدِيمُ الْخَيْرُ
لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَهَذَا أَهْلُ الْحَقِّ بَلْ يُوَدُّ
حَدِيثُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ

۱۸۱ امام ابن حجر کی رحمة اللہ علیہ

افعل القرار ام القرار میں فرماتے ہیں۔

بلاشبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے سلسلہ نسب کریم میں جتنے انبیاء کریم
علیہم السلام ہیں وہ لو انبیاء ہی ہیں ان
کے سوا حضور کے جن قدر آباء و اہبات
حضرت آدم و حوا علیہم الصلوٰۃ والسلام
تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کیونکہ
کافر کو لینہ یہ ہا کریم یا پاک نہیں کہا جا
سکتا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کے آباء و اہبات کی نسبت حدیثوں میں
وضاحت فرمائی گئی ہے کہ وہ سب
پسندیدہ بارگاہ الہی ہیں اور بلاشبہ
تمام آباء کریم ہیں اور تمام مائیں پاکیزہ
ہیں اور آیت کریمہ وَتَقْبَلُكَ فِي
السَّاجِدِينَ کی بھی ایک تفسیر یہی ہے
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک
ایک ساحد سے دوسرے ساحد کی طرف
منتقل ہوتا آیا پس اس سے صاف
ثابت ہوا کہ حضور کے والدین کریمین
حضرت آمنہ و حضرت عبد اللہ رضی اللہ
عنہما جنتی ہیں کیونکہ وہ تو ان بندوں
میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضور

مِنَ الْحَافِظِينَ أَلَمْ يَعْلَمُوا
لِمَنْ طَعَنَ فِيهِ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى
أَحْيَاهُمَا فَأَمَّا نَجْدِي

وما يؤذون من شعول الا سلاهم

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چنانچہ سب
 سے قریب تر ہیں یہی قول حق ہے بلکہ
 ایک حدیث مبارکہ میں جسے حافظانِ حدیث
 نے صحیح کہا اور اس میں طعن کرنے والے
 کی بات کو قابلِ توجہ نہیں جانتا یہ وضاحت
 موجود ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کے
 والدین کو عین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ
 وسلم کی خاطر زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ
 حضور پر ایمان لائے۔

(۹) حضرت امام حلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الدرج المنیقہ فی الابار الشریفہ" میں فرماتے ہیں۔

اکابر ائمہ دین کی بہت کثیر جماعت کا بھی مذہب یہی ہے کہ یقیناً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو ہمین نجات یافتہ ہیں اور آخرت میں بھی انکی نجات یقینی ہے اور یہ اکابر ائمہ کرام مخلصین کے اقوال کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے نیز ان سے درجہ اور مرتبہ میں بھی کم نہیں تھے اور سب سے بڑھ کر احادیث نبوی اور آثار صحابہ کرام کے حافظ تھے اور ان دلائل کو خوب جانچنے والے تھے جن سے استدلال کیا کیونکہ یہ حضرات تمام فنون میں مختلف انواع علوم کے جامع

مَذْهَبَ جَمِيعٍ كَثِيرٍ مِنَ
الْأُمَّةِ الْأَعْلَامِ إِلَى أَنَّ
الْبُيُوتَ النَّبَوِيَّةَ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْرَانِ
مُحْكَمَةٌ تَحْكُمُ بِالْقَضَاءِ فِي
الرَّحْمَةِ وَهُمْ أَعْلَمُ
النَّاسِ بِأَحْقَالِهِمْ خَالِقِهِمْ
وَلَا يَقْصُرُونَ عَنْهُمْ فِي
الدَّخِيَّةِ وَمِنْ أَحْقَظِ
النَّاسِ بِلَا حَاجِثٍ وَالْأَمَّا
وَأَيُّهَا النَّاسُ يَا أُولِي الْأَبْصَارِ
الْبَقِيَّةُ اسْتَدْلُوا بِمَا فِي لَيْكِ

اور ہر تھے اور ان کے بارے میں یہ گمان
مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ وہ ان احادیث سے
غافل تھے جن سے مخالفین نے استدلال کیا
ہے۔ معاذ اللہ ایسا نہیں بلکہ وہ ضرور
ان سے واقف تھے اور انھی تہتہ تک پہنچنے
میں اپنی عمریں گزاریں اور ان کے وہ
پسندیدہ جوابات دیئے جنہیں کوئی منصف
مزاج رد نہ کرے گا اور والدین کرمین کی رجات
پر ایسے ولائکل قاطعہ قائم فرمائے جیسے کہ
مضبوط ہے ہوئے پہاڑ جو کسی کے ہاتھ
نہیں ہل سکتے۔

لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٌ يَدْخُلُونَ
لَهَا مِنْ أَشْجُونِ فَكَ
يُزَكَّى لَهُمْ فِيهَا
لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٌ يَدْخُلُونَ
لَهَا مِنْ أَشْجُونِ فَكَ
يُزَكَّى لَهُمْ فِيهَا

ما خذ من شمول الإسلام وأصول الدين الكمال

خیال میں رہے کہ یہاں ہم نے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک کتاب کا حوالہ پیش کیا ہے ورنہ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے ایمان اور نجات کے ثبوت پر آٹھ رسائل تصنیف فرمائے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

- * التعظيم والمنه في ان الهمي رسول الله صلى الله عليه وسلم في الجنة
 * مسالك الخفا في والدي المصطفى عليه الصلوة والسلام
 * المقامة السديسة في النبوة المصطفوية
 * الدرجة المنيقة في الآبار الشريفة
 * نشر العلمين المنيفين في احياء الابدوين الشريفين
 * الدرر الكامنة في اسلام السيدة الآمنة
 * الببل الجلية في الآبار العلية

اثبات الاسلام لوالدہی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

(البدین والنہجین فی تحقیق اسلام آباد سید انکرونین ص ۲۷)

علامہ ازیں علیہ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک کتاب شمول الاسلام لاصول الرسول اکرام کے صفحہ ۳۲ میں اسی مسئلہ کے متعلق امام سیوطی کی ایک اور کتاب سبل النجا کا حوالہ بھی پیش فرماتے ہیں اس طرح صرف نجات والدین کریمین پر امام جلال الدین سیوطی کے نو رسائل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین تم ۱۰

(۱۰) رئیس الفقہاء علامہ ابن الدین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ بروایت علی الدر المختار باب المرتد میں فرماتے ہیں۔
 اِنَّمَا بَيَّنَّا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فَكَرِهْنَا اللهُ تَعَالَى بِحَيَاةِ
 الْبُيُوتِ لَهُ حَتَّى أَمَاتِهِ كَمَا
 فِي حَدِيثِ فَخْخَةِ الْقُرْطُبِيِّ
 وَأَبْنِ مَاجِرٍ الرَّبِّيْنَ حَافِظُ
 الشَّامِ وَعَبْدُ اللهِ فَاسْتَعَا
 بِأَلَيْمَانِ لَعْدِ الْمَوْتِ عَلُو
 خَلَوْنَ النَّقَاعِدَةَ الْكَمَا لِلنَّبِيِّ
 صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا أُجِبِي
 قَبِيلُ بَنِي إِسْرَائِيلَ لِيُجِبُوا
 بِمَا قَاتَلُوا وَكَانَ عِيسَى عَلَيْهِ
 السَّلَامُ يُجِبِي الْمَوْتِ فِي
 كَذَلِكَ بَيَّنَّا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ أَنَّ اللهَ تَعَالَى عَلَى

يَذِيهِ جَمَاعَتُهُ مِنَ الْمَوْتِ

(الجم)

اردو المختار صرف فتاویٰ شامی

صفحہ ۳۲

کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بھی مردوں کی ایک بڑی عمارت کو زندہ کیا۔

خیال میں رہے کہ علامہ ابن عابدین شامی نے فتاویٰ شامی جلد ثانیہ باب نکاح الکافر میں بھی جامع بحث کی ہے۔

(۱۱) علامہ ناصر الدین ابن المشیر مالکی اپنی ایک کتاب المصطفیٰ فی شرف المصطفیٰ میں فرماتے ہیں۔

قَدْ بَيَّنَّا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَاءَ الْمَوْتِ فِي نُظَيْرِ مَا فِي قَوْمِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَجَاءَ فِي الْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَاتَ مِنْ أَلَيْمَانِ فَاسْتَعَا بِمَا قَاتَلُوا وَكَانَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ يُجِبِي الْمَوْتِ فِي كَذَلِكَ بَيَّنَّا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ اللهَ تَعَالَى عَلَى

(الحادی وفتاویٰ صفحہ ۳۳)

ج ۲

بلاشبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مردوں کو زندہ کرنا ایسا ہی واقعہ ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے لئے واقع ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کافروں کے لئے استغفار سے روکا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے والدین کو زندہ فرما دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا۔ اور وہ دونوں حضرات آپ پر ایمان لائے پھر وہ دونوں تصدیق کرتے ہوئے ایمان سے مشرف ہو کر اور مومن بن کر دوبارہ انتقال فرما گئے۔

(۱۲) شیخ الاسلام علامہ شرف الدین مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ آپ سے جب پوچھا گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد کیا

جہنم میں ہیں؟ تو آپ نے اس سائل کو خوب چھڑکا اور ناراضگی کا اظہار فرمایا چنانچہ اس سائل نے پھر پوچھا کہ حضور کے والد کا اسلام کیا ثابت ہے؟

آپ نے فرمایا:

أَمَّا مَا كُنْتُ فِي الْفَتْوَى

فَلَا لَعَنَؤُكَ يَا قَبِيْلَ

الْبُحَيْنَةِ۔

بلاشبہ ان کا انتقال زمانہ فترت میں ہوا تھا اور بعثت سے پہلے فوت ہونے والے غلاب کے متعلق تمہیں بتتے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ علماء اسلام کی اکثریت حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو یمن رضی اللہ عنہما کے ایمان اور انکی نجات کا کامل اعتقاد رکھتی ہے اور یہاں ان تمام علمائے کرام کے اقوال مبارکہ کی گنجائش بھی نہیں تاہم بعض ایسے علمائے کرام کے اسمائے گرامی کا ذکر کر دیتا ہوں جنہوں نے اس مسئلہ پر صراحت کے ساتھ بحث کی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کو یمن کا ایمان ثابت کیا ہے۔

(۱۱۳) امام ابو حفص عمر بن احمد بن شاہین جبکی علوم و فنیہ میں تین سو تیس تصانیف ہیں جن میں تفسیر ایک ہزار جزیں اور مسند حدیث ایک ہزار تین جزیں۔

(۱۱۴) شیخ الحدیث حافظ ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی۔

(۱۱۵) حافظ الشان محدث ماہر امام ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر۔

(۱۱۶) امام اجل ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سیلی، صاحب الروض الانف

(۱۱۷) حافظ الحدیث امام محب الدین الطبری، جن کے متعلق علمائے

دین فرماتے ہیں کہ امام ابو ذکر یا محی الدین یحییٰ بن شرف نووی کے بعد انکی مثل علم حدیث میں کوئی نہیں۔

(۱۱۸) علامہ شیخ نور الدین علی بن الجزار مصری، صاحب رسالہ تحقیق آمال

الراعیین فی ان والدی المصطفیٰ بفضل اللہ تعالیٰ فی الدارین من الناجین۔

(۱۱۹) حافظ الحدیث امام ابو الفتح محمد بن محمد ابن سید الناس، صاحب بیون الاثر۔

(۱۲۰) علامہ صلاح الدین صدیقی۔

(۱۲۱) علامہ حافظ شمس الدین محمد ابن ناصر الدین دمشقی۔

(۱۲۲) شیخ الاسلام علامہ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی۔

(۱۲۳) حافظ الحدیث امام ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مکی۔

(۱۲۴) امام ابو الحسن علی بن محمد ماوردی بصری، صاحب الحاوی الکبیر

(۱۲۵) امام ابو عبد اللہ محمد بن خلف مکی، شارح صحیح مسلم شریف۔

(۱۲۶) امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر قرطبی، صاحب التذکرۃ

بامور الآخرة۔

(۱۲۷) علامہ ابو عبد اللہ محمد ابن ابی شریف حسنی تلمسانی شارح الشفا

بجقوق المصطفیٰ۔

(۱۲۸) علامہ محقق سنوسی۔

(۱۲۹) امام اجل عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی، صاحب البیاقیت

والجواہر۔

(۱۳۰) علامہ احمد بن محمد بن علی بن یوسف فاسی، صاحب مطالع المسرات

شرح دلائل الخیرات۔

(۱۳۱) شیخ الحقیقین علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی شارح مواہب اللدنیہ۔

(۱۳۲) امام اجل فقیہ اکمل محمد بن محمد کردری بزاز، صاحب المناقب۔

(۱۳۳) امام زین الفقہ علامہ محقق زین الدین بن نجیم مصری، صاحب

الاشباہ ولنظائر۔

(۱۳۴) علامہ سید شریف حموی، صاحب غرر البیون والبصائر۔

(۱۳۵) علامہ حین محمد بن حسن دیار کبری، صاحب النہیں فی نفس نفیس

صلی اللہ علیہ وسلم

- (۳۶) علامہ محقق شہاب الدین احمد خفاجی مصری، صاحب نیم المریاض۔
 (۳۷) علامہ شیخ محمد الدین محمد بن طاہر بن علی حنفی، صاحب مجمع بحار الانوار۔
 (۳۸) شیخ المحقق فی الہند علامہ محمد عبدالحق محدث دہلوی، صاحب اشعۃ اللمعات۔

(۳۹) علامہ ... صاحب کنز الفوائد

- (۴۰) بحر العلوم ملک العلماء علامہ عبدالعلی، صاحب فوائج الرحموت۔
 (۴۱) علامہ سید احمد مصری طحاوی غشی وراقار۔
 (۴۲) حجت الاسلام امام محمد غزالی، صاحب انوار العلوم۔
 (۴۳) امام اجل قاضی ابوبکر باقلانی (ماخوذ من شمول الاسلام)۔
 (۴۴) علامہ شیخ علی بن محمد طبری شافعی کیاہرانی، صاحب کتاب التعلیق۔
 (۴۵) امام حافظ صلاح الدین العلائی، صاحب الدرۃ السنیہ فی مولد خیر المرید۔

(۴۶) شیخ الاسلام علامہ عزالدین ابن عبد السلام شافعی، صاحب الامالیہ (ماخوذ از الحاوی للفتاویٰ)۔

(۴۷) اعلیٰ حضرت مجددین ولایت امام احمد رضا خان بریلوی، صاحب شمول الاسلام۔

(۴۸) صدر الافاضل، فخر الاشل حضرت العلامة السید محمد نجیم الدین المراد آبادی، صاحب تفسیر خزائن العرفان۔

(۴۹) حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی، صاحب اشرف التفاسیر۔
 (۵۰) قدوة السالکین، سید المحدثین حضرت العلامة السید احمد سعید الکاظمی صاحب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵۱) استاذ العلماء ابو الوفا علامہ غلام رسول سعیدی، شارح صحیح مسلم شریف

اہل فترت کے لئے عذاب نہیں (بشرطیکہ شرک نہ کیا ہو)
 خیال رہے کہ اہل فترت سے وہ حضرات مراد ہوتے ہیں جن کے پاس کوئی نبی یا رسول تشریف نہ لایا ہو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضور پر نور علیہ السلام کے اعلان نبوت تک کے زمانے کے لوگوں کو اہل فترت یا اصحاب فترت کہتے ہیں۔

اور ہم کسی قوم کو نہیں ان میں رسول
 بھیجے عذاب نہیں دیتے

خیال رہے کہ علامہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک پہلے کسی قوم پر رحمت و دلیل قائم نہ فرمائے اس وقت تک کسی کو بھی عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جس سے معلوم ہوا کہ تحقق عذاب وہ ہیں جنکو رسول خدا کی دعوت پہنچے اور اسکو قبول کرنے سے وہ انکار کر دیں لیکن حضور کے والدین کو کسی رسول کی دعوت پہنچی ہی نہیں لہذا وہ محقق عذاب یا جہنمی کیسے ہو سکتے ہیں بلکہ قرآن کریم نے تو ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ جب تک کسی قوم کے پاس دلیل الہی (یعنی رسول یا عقل سلیم) نہ پہنچ جائے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ظلم کے ساتھ عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا۔ خیال رہے کہ علامہ امام حلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مذکورہ بالا آیت کے علاوہ چند آیات کریمہ اسی ضابطہ کے تحت ذکر کی ہیں۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ وہ تمام آیات ذکر کر رہے ہیں جو اہل فترت کے لئے عذاب میں ملاحظہ نہ ملکیں۔

یہ رسولوں کی بعثت، اس لئے ہے
 کہ تمہارا رب یسئیل کو ظلم سے ہٹا کر
 وتباہ نہیں کرتا کہ ان کے رہتے والے
 لوگ بے خبر ہوں

وَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى
 أَنفَرْتُ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا
 غَافِلُونَ
 ہٹا، سن، آیت ۱۳۲

وَلَوْلَا اَنْ تَصِيْبَهُمْ مُّصِيبَةٌ
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ فَيَقُولُوا
رَبَّنَا كُنَّا نَدْعُوكَ اَنْ تَنْزِلَ
بِرْسُوْلِكَ فَيُنْزِلُ اٰيَاتِكَ وَتَكُوْنُ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
(پہلے، تیسری، آیت ۳۴)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وجہ کبھی،
ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان پر
کوئی مصیبت عذاب وغیرہ نازل ہو
جائے تو اس وقت کہتے لگیں کہ اے
پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی
رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری کہتوں
کی پیروی کرتے اور ایمان لاتے۔

چنانچہ علامہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت سند حسن کے ساتھ
حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ زمانہ فترت میں انتقال کرتے والی بارگاہ
الہی میں عرض کرے گا کہ اے میرے رب میرے پاس نہ تو کوئی کتاب آئی تھی
اور نہ ہی کوئی رسول تشریف لایا پھر حضور نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَوْلَا اَهْلَكْنَا هُمْ لَعَذَابٍ
مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا دَبَّرْنَا نُوْلًا
اَنْزَلْتَ الْبَارِسُوْلَ فَبَيَّنَّ
اٰيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِيْقَ
عَذَابَكَ

اگر رسول کے آنے سے پہلے ہم انہیں
کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ضرور
کہتے کہ ہمارے رب تو نے ہماری
طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم
تیری آیتوں پر چلتے قبل اس کے
کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے۔

اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں
کرتا جب تک ان کے اصل مرجع
دعوتی مقام میں رسول نہ بھیجے جو
ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرے
اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے

وَمَا كَانَتْ رَبُّكَ مُهْلِكًا تَقَرَّى
حَتَّى يَبْعَثَ فِيْ اُمَّهَاتِ سُوْلًا
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِنَا وَ مَا كُنَّا
مُهْلِكِيْ تَقَرَّى اِلَّا وَ اَهْلٰهَا
ظَالِمُوْنَ

(پہلے، تیسری، آیت ۵۴)

وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا
لَهَا مُّضِرُّوْنَ وَ كُرْحٰى
مَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ

(پہلے، تیسری، آیت ۵۴)

وَهُمْ يَفْكُرُوْنَ فِيْهَا دَبَّرْنَا
اٰخِرًا نَحْنُ صٰلِحُوْنَ اَلَّذِيْ
كَانَ اَمَلًا اَوْ لَمْ نَحْمِلْكُمْ مَا تَدَّكُرُوْنَ
فِيْهِ مِنْ مَّذْكُوْرٍ وَ جَاءَكُمْ اَلَّذِيْنَ
نَذَرْتُمْ اَوْ اَمَّا لِيْظٰلِمِيْنَ
مِّنْ نَّصِيْرٍ

(پہلے، تیسری، آیت ۵۴)

وَمَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِيْ وَ مُّضِرُّوْنَ
لَسَاءَ يَكُوْنُ لِنَا سِ عَلٰى اَللّٰهِ
مُجْحُوْتًا لِّعَدْوٰى الرَّسُوْلِ وَ كَانَ اَللّٰهُ
عَزِيْزًا حَكِيْمًا

(پہلے، تیسری، آیت ۱۴۵)

مگر جب کہ ان کے رہنے والے ظالم
ہو جائیں۔

اور ہم نے ایسی کوئی بستی ہلاک نہیں
کی جس کے لئے ڈرنا نے والے نہ ہوں
ہوں یہ (قرآن) نجات ہے یا دولانے
کے لئے اور ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے
اور وہ اس میں چلاتے ہوں گے کہ
اے رب میں نکال تاکہ ہم اچھے کام

کریں اس کے خلاف جو پہلے کرتے
آجواب ملے گا کیا ہم نے تمہیں وہ عین
نہی نہیں جس میں کچھ ایسا ہے سمجھنا
ہوتا اور تمہارا ہے پاس تو ڈرنا نے
والا تشریف لایا تھا پس اب عذاب
کا مزہ چکھو کیونکہ ظالموں کا کوئی بھی
مددگار نہیں۔

رسول خود بخوبی دیتے اور ڈرنا نے
ہیں تاکہ رسولوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے
سامنے لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے اور
اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

اہل فترت کی تقسیم کا بیان

خیال ہے کہ اہل فترت کی تین قسمیں
ہیں جو حرب تفصیل مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی قسم۔ اہل فرت میں سے ان لوگوں کی ہے جنہوں نے بصیرت سے توحید کو اپنایا اور اسی بصیرت سے توحید پر قائم رہے اور شرک و کفر سے دور رہے پھر انہی لوگوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو کسی شریعت میں داخل نہیں ہوئے بلکہ یہ لوگ توحید الہی اور عبادت خداوند قدوس کے احکام کے متلاشی رہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا انتظار کرتے رہے جیسے قس بن ساعدہ لبادی اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہم نیز اسی طرح ان لوگوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو شریعت حقہ میں داخل ہوئے جس کے آثار قائم تھے جیسے تبع اور اس کی قوم عیسویں سے اور اہل نجران نیز وہ قین نوفل کے چچ عثمان بن حویرث ہیں جنہوں نے دین نصرانیت کے منسوخ ہونے سے پہلے عہد جاہلیت میں نصرانیت کو اختیار کر لیا تھا۔

دوسری قسم۔ اہل فرت میں سے ان لوگوں کی ہے جنہوں نے توحید کے عقیدہ کو بدل ڈالا اور اس میں تغیر پیدا کر دیا اور شرک کو اختیار کر لیا غرضیکہ عقیدہ توحید پر قائم نہ رہے بلکہ خواہشات نفسانی کی خاطر خود ایک شریعت بنا کر خود جس کو چاہا حلال کر دیا جس کو چاہا حرام کر دیا اور یہ لوگ اکثر اہل عرب سے تھے جیسے عمرو بن لُئی ہے یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اہل عرب کے لئے بتوں کی عبادت کرنے کا طریقہ لکھا دیا تھا اور اسی پر نصیب انسان نے مکہ مکرمہ میں بت نصب کئے یہاں تک کہ اس نے بحیرہ، سائبہ، حام، و صیل نام کے جانوروں کو بتوں کے لئے نامزد کر کے از خود حرام قرار دیا تھا اور اہل عرب نے اس کی پیروی کی اور اس کے علاوہ بہت سے امور ہیں جن کو اس نے لکھا دیا تھا۔

تیسری قسم۔ اہل فرت میں سے ان لوگوں کی ہے جنہوں نے نہ تو شرک کیا اور نہ توحید سے واقف ہو سکے اور نہ کسی پیغمبر کی شریعت میں داخل ہوئے نہ ہی انہوں نے اپنے لئے کوئی نئی شریعت اختراع کی

بلکہ یہ لوگ ساری زندگی غفلت میں رہے اور زمانہ جاہلیت کے جو لوگ ان طریقوں پر رہتے رہے وہ بھی اس تیسری قسم میں داخل ہیں لہذا اب جب کہ اہل فرت تین قسموں پر منقسم ہوئے تو ان فرت میں سے جن لوگوں کے لئے صحیح احادیث میں عذاب کا ذکر ہوا ہے (جیسے عمرو بن لُئی، اور صاحب مجن، تو ان کو اہل فرت کی دوسری قسم پر محمول کیا جائے گا کیونکہ انہوں نے کفر و شرک اختیار کیا تھا اور اعمال خبیثہ کی وجہ سے حق سے تجاوز کر لیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو کافر و مشرک قرار دے کر جہنمی ٹھہرایا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُفَارِقُونَ
عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ وَالْكَرْهُ
لَا يَعْقِلُونَ (پ، ش، آیت ۱۱۶)

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ
وَيَغْفِرُ مَا دُونِ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ

(پ، ش، آیت ۱۰۳)

لیکن تیسری قسم کے لوگ تو ان کے متعلق تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ان کو کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کی پوری زندگی میں شرک و بت پرستی ثابت نہیں ہے لہذا یہ دونوں حضرات دوسری قسم میں ہرگز شامل نہیں ہیں لیکن اگر ان دونوں حضرات کو اہل فرت کی تیسری قسم میں شامل کیا جائے (جیسے علامہ قسطلانی نے مواہب میں کیا ہے) تو بالا اتفاق ناجی اور غنتی قرار پائیں گے

نیز ان دونوں صاحبان کے درمیان اور سابقہ انبیائے کرام کے درمیان بہت
بُعد رہے اور یہ دونوں صاحبان جاہلیت کے اس زمانہ میں تھے جہیں
مشرق سے لے کر مغرب تک جہالت ہی جہالت تھی جو لوگ شریعت کو
جاتے تھے وہ نایاب ہو گئے تھے اور دعوتِ توحید دینے اور تبلیغ دین دینے
والا کوئی نہیں تھا مگر چند علماء اہل کتاب میں سے کہ مکہ مکرمہ کے علاوہ دوسرے
شہروں میں جیسے شام وغیرہ ممالک میں پھیلے ہوئے تھے لیکن ان دونوں کو
سوائے مذہبِ طیبہ کے کوئی دوسری جگہ سفر کرنے کا موقع نہیں ملا پھر نہ ہی ان
کو ایسی وراثت ملی تاکہ یہ دین حق کی جستجو کرتے اور نیز آپ کی والدہ ماجدہ
پردہ نشین تھیں مردوں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی تھیں کہ شرائع کے
احوال معلوم کر سکیں باقی رہے پہلی قسم کے لوگ جیسے قیس بن ساعدہ یادی
اور زید بن عمرو بن نفیل تو ان کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ ہر ایک تمہارا ایک امت کے درجہ میں اٹھے گا البتہ عثمان بن حویرث
اور تبعہ نیز اس کی قوم جو حمیر میں سے تھی اور اہل بخران ان سب کا حکم ان اہل
دین کے حکم کے مطابق ہے جو اس دین میں داخل ہوئے ہیں جب تک ان میں
سے کوئی شخص کل ادیان کے ناسخ دین اسلام سے لاجق نہیں ہوا اب اگر حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کو اس پہلی قسم میں شامل کیا جائے تو چونکہ
انہوں نے نصرانیت تو اختیار کی ہی نہیں تھی لہذا موحدا اور مومن ہی ٹھہرے
اور یہی قول محتاط و صحیح ہے۔

(ماخوذ بتصرف از مواہب اللذیہ)

اعترافات و جوابات

اعترافِ ممبرانہ مذکورہ بالا دلائل سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے تمام آبا و اجداد موحدا اور مومن تھے حالانکہ حضور کے اجداد کرام

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں جن کے باپ آذر نہ صرف بت پرست
تھے بلکہ بت تراش بھی تھے لہذا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے تمام آبا و اجداد موحدا اور مومن ہوں۔ ؟

جواب : آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ تھا بلکہ چچا
تھا جیسا کہ عارف باللہ علامہ شیخ صادق مکی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر بحث
کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں۔

وَلِكَيْ لَا يَحْزَنَ بَعْضُهُمْ أَفْضَارًا يَنْشِجُ أَنْ
أَزْرَأَبُوهُ بَلْ كَانَ عَمَّةً وَكَانَ كَأَفْرَا
وَتَارِخُ الْوَلَدَةِ مَاتَ فِي الْفَاتِيَّةِ وَ
لَمْ يَكُنْ سَجُودَةً بِصَلْوَةٍ
الْمَا سَمَّاهُ أَبَا عَلِيٍّ عَادَةً
الْحَرْبِ وَنَ سَمَّيْتُهُ الْعَمَّةَ
أَبَا وَفِي التَّوَلَدَةِ اسْمُ أَبِي
أَبَا هَيْثَمَ تَارِخُ
(تفسیر صادق ص ۲ ج ۲)

بعض مفسرین نے یہ جواب دیلے کہ
آذر ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا
بلکہ چچا تھا، کا فہم تھا اور آذر کے
والد تارخ تھے جو کہ زمانہ فترت میں
وقاتِ پانچے تھے نیز انہوں نے کسی
بت کے سامنے کہی بھی سجدہ نہیں
کیا تھا اور چچا کو باپ اس لئے کہا
گیا ہے کہ عرب کی عادت ہے کہ
چچا کو باپ کہتے ہیں اور اس کے علاوہ
تورات میں رقوم ہے کہ حضرت ابراہیم
علیہ السلام کے باپ تارخ ہیں۔

بلکہ قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے۔

إِنَّمَا قَالَ لَيْتَ لَوْ مَا تَجِدُ دُونَ هَذَا
تَجِدُ قَالُوا الْحَبِيدُ الْهَكَذَا
إِنَّ أَبَاكَ إِبْرَاهِيمَ وَاسْمُ أَبِي
وَاسْمُ أَبِيكَ

جب یعقوب نے اپنے بیٹوں سے
فرمایا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت
کرو گے تو انہوں نے کہا ہم عبادت
کریں گے تمہارے اس محبوب کی جو

تمہارے آبا ابراہیم واسحاق
اور اسحاق کا بھی محبوب ہے۔

اس آیت کرم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی حضرت یعقوب
علیہ السلام کے آبا (باپوں) میں ذکر کیا گیا ہے حالانکہ وہ تو چچا تھے یہی
وجہ ہے کہ متیقن علماء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں آزر کو حضرت
ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے وہاں بھی چچا مراد ہے جیسا کہ اس مذکورہ
بالا آیت کے تحت علامہ جلال الدین علی شافعی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر جلالین
میں فرماتے ہیں۔

سَمَاءُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ آدَمَ وَتَحْلِيثُ
كَرِيمُ الْعَمَّةِ يَمَّا زَلَّ النَّبِيُّ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت
یعقوب علیہ السلام کے آبا میں شمار
کرنا بطور غلبہ کے ہے کیونکہ چچا
بمقابلہ باپ کے ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ تفسیر تازان، تفسیر مدارک، تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ
مصور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ
کو اب یعنی باپ کہہ کر پکارا ہے جس سے ثابت ہوا کہ لفظ اب صرف باپ
ہی کے لئے نہیں بلکہ چچا کے لئے بھی بولا جاتا ہے البتہ لفظ والد صرف
باپ ہی کے لئے بولا جاتا ہے اور آزر کو پورے قرآن کرم میں کہیں بھی
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں کہا گیا جس سے معلوم ہوا کہ آزر
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا بلکہ چچا تھا چنانچہ علامہ امام
جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے آزر کے باپ نہ ہونے پر جو دلائل اپنی
کتاب الحادی للفقہاء میں ذکر کئے ہیں ان میں سے کچھ دلائل یہاں
پر درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

إِنَّ أَبَا إِبْرَاهِيمَ لَمَّا يَكُنْ
أَسْمُهُ أَزْرَ وَإِلْمَا كَانَ
تَارِخُ

۴۔ علامہ ابن ابی شیبہ اور علامہ ابن المنذر نیز علامہ ابن ابی حاتم صحیح طرق
کے ساتھ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا
لَئِنْ أَزْرُ أَبَا إِبْرَاهِيمَ
یعنی آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام
کا باپ نہیں تھا۔

۵۔ علامہ ابن المنذر صحیح سند کے ساتھ حضرت جبریل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاذْكُرْ أَبَاهُ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ
الْسَّلَامُ کہ جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا، کے تحت فرمایا لَئِنْ أَبَاهُ
هُوَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ كَثْرٍ أَوْ تَارِخُ بْنُ شَارٍ وَخُ بْنُ نَاحُورَ بْنِ قَامِلٍ
یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہیں تھا کیونکہ ان کا نام تیرخ یا تارخ
بن شاروخ بن ناحور بن قلمح ہے۔

(۴) امام ابن ابی حاتم صحیح سند کے ساتھ حضرت سدی رضی اللہ عنہ سے
روایت کرتے ہیں۔

أَنَّهُ قِيلَ لَهُ اأَسْمُ ابْنِ إِبْرَاهِيمَ
أَزْرَ فَقَالَ بَلْ اأَسْمُ
تَارِخُ

(۵) علامہ امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت سلمان
بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت
ابراہیم علیہ السلام پر آگ گزاری ہوئی تو آپ کچھ چچا آزر نے کہا کہ کس نے اس

سے آگ کو دفع کر دیا فوراً اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ کا ایک شعلہ بھیجا جس نے آگ کو جلا کر رکھ کر دیا۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ آزران دنوں ہلاک ہو گیا تھا جن دنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم، پ، آیت ۱۱۲ میں خبر دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جب یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ آزر اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ نے اس کے لئے دعا مغفرت کرتا ترک کر دی۔

۴۔ علامہ ابن ابی عاتم نے ایک روایت صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس اور دوسری روایت حضرت محمد بن کعب حضرت قتادہ حضرت عبادہ حضرت جن بصری ویریم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کرتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کی زندگی میں اس کے توجید قبول کرنے کی امید پر اس کے لئے استغفار کرتے رہے لیکن جس وقت آزر حالت شرک میں مر گیا تو اس وقت آپ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ آزر اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے اور اس کے بعد آپ نے کبھی اس کے لئے دعا مغفرت نہیں کی اور یہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقعہ آگ کے بعد شام کی طرف ہجرت فرمائی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ
سَيَهْدِينِ (پ، آیت ۹۹) اور کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جانے
پھر ہجرت کے کافی دیر بعد آپ مصر تشریف لے گئے اور وہاں مصر کے
بادشاہ کے ساتھ حضرت سارہ کی وجہ سے ملاقات کا اتفاق ہوا اور اس نے
آپ کی خدمت میں حضرت ہاجرہ دے دی پھر آپ مصر سے مکہ شام واپس
چلے گئے جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے

حکم دیا کہ آپ اپنی زوجہ محترمہ اور اپنے لخت جگر اسماعیل علیہ السلام کو لے جا کر مکہ مکرمہ میں چھوڑ آئیں چنانچہ آپ نے حکم خدا کے مطابق دونوں ماں بیٹے کو اپنے ساتھ لیا اور مکہ مکرمہ میں جا کر بیت اللہ شریف کے پاس جہاں اب آپ زمزم ہے چھوڑا اور واپس روانہ ہوتے وقت آپ نے خانہ کعبہ کے پاس بارگاہ الہی میں یہ دعا مانگی۔

اے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک
ایسی وادی میں پیدا دی ہے جس میں
کھیتی نہیں ہوتی تیرے حرمت والے
گھر کے پاس۔

رَبَّنَا إِنِّي أَتَمَسَّكْتُ مِن ذُرِّيَّتِي
بِوَادِعِ بَرِّي فَإِنِّي
بَبَيْتِكَ الْمَحْدَمِ
(پ، آیت ۳۷)

اس دعا کے آخر میں آپ نے یہ دعا بھی فرمائی۔
اے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں
باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن
حساب قائم ہو۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ
وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ تَقُومُ الْحِسَابِ
(پ، آیت ۳۷)

خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے چچا آزر کے ہلاک ہو جانے
اور مدت دراز گزر جانے کے بعد اپنے والدین کے لئے دعا مغفرت کرنا اس

لے۔ خیال رہے کہ یہ صیغہ تشبیہ کا ہے اصل میں والدین نمایاں و مکرم آخر میں آنے
کی وجہ سے نون تشبیہ گر گیا ہے کیونکہ لفظ الفضل کا مقتضی ہے جبکہ اضافت میں اتصال ہوتا
ہے لہذا جب لفظ والدین کو بدلے مکرم کی طرف مضاف کیا تو لڑن گر گیا اور بن گیا والدینی
ابتدائی یا کو دوسری یا میں مکرم کو دیا گیا کیونکہ دو حرف ایک جنس کے جمع ہو گئے جن میں پہلا
ساکن دوسرا متحرک ہے لہذا اوغام واجب ہو گیا ہے پس بن گیا و لوالدنی اگر صرف والدہ
مراو ہوتی تو لفظ ہوتا و لوالدتی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا و بئرا بوالدتی
نیز اگر یہ کہا جائے کہ قرآن میں لفظ مغفرت ہے یعنی والدینی تو اس کا جرات ہے کہ یہ صورت
کار سے جن میں جاتی ہے کیونکہ یہ لفظ مغفرت ہے لہذا تحقیق باپ مراو ہو گا۔

بات کی روشن دلیل ہے کہ آذر آپ کا والد نہیں تھا بلکہ چچا تھا کیونکہ قرآن کریم سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آذر کے لئے دعا مغفرت کرنے سے منع کر دیا گیا جس کی وجہ سے آپ نے آذر سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ (۷) علامہ ابن سعد نے طبقات میں حضرت ہشام بن محمد کلبی سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل شہر سے مکہ شام کی طرف ہجرت کی تھی اس وقت حضرت کی عمر شریف سینتیس سال کی تھی پھر آپ حوان میں تشریف لائے اور یہاں ایک مدت تک قیام فرمایا پھر اردن ہجرت فرما گئے اور وہاں بھی ایک مدت تک قیام فرمایا پھر واپس مکہ شام جا کر فلسطین اور ایلیا کے درمیان سرزمین بسح میں نزول فرمایا مگر یہاں کے رہنے والوں نے آپ کو ستانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے آپ نے یہاں سے رملہ اور ایلیا کے درمیان ایک منزل پر سکونت اختیار فرمائی۔

(۸) علامہ ابن سعد نے امام واقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت آپ کی عمر شریف نوے سال کی تھی۔

لہذا ان دونوں روایتوں کے ملائے سے معلوم ہوا کہ واقعہ آگ کے بعد بابل شہر سے ہجرت کرنے اور مکہ میں آکر بیت اللہ شریف کے پاس اپنے والدین و دیگر مومنوں کے لئے دعا مغفرت کرنے کے درمیان پچاس سال سے کچھ زیادہ (۵۳ برس کی مدت کا فاصلہ ہے۔

(الموادی للفتاویٰ ص ۲۱۵ تا ۲۱۶ ج ۲)

جس سے معلوم ہوا کہ اگر آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام انکی موت کے پچاس برس بعد ان کے لئے دعا مغفرت نہ کرتے کیونکہ آپ کو ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے منع کر دیا گیا تھا اور بابل شہر میں اس کی بلاکت کے وقت آپ نے بیزاری کا اظہار

فرمایا تھا اور دعائے مغفرت بھی ترک کر دی تھی پھر اتنی طویل مدت گزر جانے کے بعد دعا مغفرت کرنا حقیقی والدین کے لئے ہی ہو سکتا ہے پس بات ہو گیا کہ آذر آپ کا چچا تھا نہ کہ والد بلکہ حضرت ابراہیم کے والد تارخ اور والدہ متلی بنت خمر ہے اس کے علاوہ علامہ قاضی شمس الدین پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ علامہ امام فخر الدین الرازی نے علامہ زرکانی نے اپنی کتاب شرح مسہب لدینی میں کہا کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نہ تھے بلکہ چچا تھے جیسا کہ علامہ شہاب الدین عینی نے تصدیق کر دی ہے کہ تمام اہل کتاب اور مؤمنین کا اجماع ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے نیز لغت کی مشہور و معروف کتاب القاموس میں لکھا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم کے چچا کا نام ہے۔

(خلاصہ از تفسیر مظہری ص ۲۵۷ ج ۳)

اس آیت کے تحت علامہ قاضی شمس الدین مظہری پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

هَذِهِ الْآيَةُ تُدَلِّي عَلَى أَنَّ
وَالِدِيَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ
مُسْلِمِينَ وَإِنَّمَا كَانَ أَرْبَعًا
لَهُ وَكَانَ إِسْمُ ابْنِ إِبْرَاهِيمَ
تَارِخَ كَمَا ذَكَرْنَا فِي سُورَةِ
الْبَقَرَةِ وَلَا جُلَّ وَفَّهِ التَّوْحِيدِ
أَزْرَقَالُ وَالِدِي لِيُغْنِي مَنْ
وَلَدِي حَقِيقَةً فَإِنَّ الْآبَ
يُطْلَقُ عَلَى الْعَمِّ مَجَازًا
تفسير مظہری جلد خامس

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے والدین مسلمان تھے کیونکہ آذر آپ کے چچا تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا جیسا کہ ہم نے سورۃ البقرہ میں ذکر کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے آذر کے باپ ہونے کے شبہ کو دود کرنے کے لئے ابویٰ کی بجائے والدیٰ فرمایا ہے یعنی جو میرے حقیقی ماں باپ ہیں کیونکہ لفظ اب عمو چچا بہ بولاجاتا ہے

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں مخمسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

یہاں والدین سے مراد جناب ابراہیم کے بگے والد تارخ اور آپ کی والدہ قتلی بنت نمر ہیں یہ دونوں مومن تھے ان کے لئے آپ نے بڑھاپے میں دعائے مغفرت کی یعنی حضرت اسماعیل واسحاق کی ولادت کے بعد آذر آپ کا دہر کا چچا تھا جس سے آپ اپنی جوانی ہی میں بیزار ہو چکے تھے اور وہ کفر پر مروجہ تھا قرآن مجید میں اب اور ام، ماں باپ، دادی دادا چچا وغیرہ سب کو کہہ دیا جاتا ہے مگر والدین صرف بگے ماں باپ کو ہی کہا جاتا ہے۔
(تفسیر نور الحرفان)

اعترض ۲۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کاش میں اپنے والدین کا انجام معلوم کر لیتا تو یہ آیت نازل ہوتی۔

وَلَا تَسْتَلْ عَنْ أَصْحَابِ الْجَنَّةِ | اور آپ سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا۔

اس کے بعد آپ نے کہیں اپنے والدین کا ذکر نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ (معاذ اللہ) جہنمی ہیں؟

جواب۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت کسی معتبر اور معتد کتاب میں ذکر نہیں کی گئی اور نیز یہ حدیث ضعیف ہے جس سے کفر یا منکشاف نہ ہو سکتا اور نہ ہی اس پر اعتقاد کیا جاسکتا ہے لہذا یہ آیت آپ کے والدین کے متعلق نازل نہیں ہوئی ورنہ یہ آیت گذشتہ آیات اور آئمہ آیات سے بے ربط ہو جائے گی کیونکہ اس سے پہلے اہل کتاب کا ذکر ہو رہا ہے اور اس کے بعد بھی اہل کتاب کا ذکر ہو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ امام سیوطی فرماتے ہیں ان المراد بأصحاب الجحیم کفار اقل الکتاب یعنی اس آیت میں اصحاب جحیم سے اہل کتاب کے کفار مراد ہیں۔
(المعادی للشافعی ص ۲۳ ج ۲)

اعترض (۳) مشکوٰۃ شریف باب زیارة القبر میں روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی خود بھی رٹے اور دوسروں کو بھی رولا دیا پھر فرمایا کہ میں نے انکی مغفرت کے لئے رب سے اجازت چاہی تو نہ ملی اور انکی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو مل گئی جس سے معلوم ہوا کہ آمنہ خاتون (معاذ اللہ) مومنہ نہیں ہیں۔
جواب۔ یہ حدیث تو خود ہمارے دعوئے کی تائید کرتی ہے اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ باحدہ موحده اور مومنہ نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ پہلے سے ہی قبر پر جانے سے روک دیتا یا پھر زیارت قبر کے بعد منع کر

دیتا کہ کسی کافر کی قبر پر نہیں جانا جیسا کہ جب آپ عبداللہ ابن ابی نہیں
المتفقین کی نماز جنازہ پڑھانے تشریف لے جانے لگے تو حضرت
عمر فاروق نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کا
مخالف ہے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا مجھے قومی امید ہے کہ اس کی قوم میں سے ایک ہزار آدمی
میرے اس برتاؤ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لے گا پچاسچہ آپ
نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی اور ایک ہزار آدمی اس کی قوم میں
سے مسلمان ہو گیا۔
(تفسیر منظر ہجاء)

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آئندہ کسی کافر کی نماز جنازہ پڑھنے اور
اس کی قبر پر کھڑا ہونے سے منع کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے
ولا تصل علی احد منہم مات ابدا ولا تقوم علی قبرہ اور ان
میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور اس کی قبر پر کھڑے ہونا
لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت سے منع
نہ کرنا اس بات کی روشن ترین دلیل ہے کہ وہ موحده اور مؤمنہ تھیں
اس دلیل کے بعد کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہنا چاہیے۔

باقی رہے سوال کہ دعائے مغفرت کی اجازت کیوں نہ ملی تو اس
کا جواب یہ ہے کہ اجازت نہ ملنا اس لئے نہیں تھا کہ معاذ اللہ وہ کافر
تھیں بلکہ اس لئے کہ آپ کی والدہ بے گناہ ہیں کیونکہ گناہ گار تو وہ
ہو جس کے پاس شرعی احکام پہنچیں اور وہ ان کی مخالفت کرے اور
ان کے مطابق عمل نہ کرے لیکن آپ کے والدین تک تو شریعت کے
احکام پہنچے ہی نہیں رہا حضور کا کہہ فرمانا تو وہ محبت فرزند کی جوش
میں تھا کہ آج وہ زندہ ہوتیں تو ہماری اس شان کو دیکھ کر اپنی آنکھیں
ٹھنڈی کرتیں۔
(اشرف التفاسیر)

اعتراض (۴) ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے
اپنے رب سے اپنی والدہ کی زیارت کی اجازت چاہی تو اس نے مجھے
اجازت دے دی پھر میں نے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی تو
مجھے اجازت نہ ملی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

ماکان للنبی والذین امنوا ان
یستغفروا للشرکین ولو کانوا
اولیٰ قدیمی دلائل آیت ۱۱۳ وہ رشتہ دار ہوں۔
نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں
کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ

جواب۔ یہ دو نشان نزول کلام صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث حاکم نے
روایت کی اور صحیح بتایا اور علامہ ذہبی نے حاکم پر اعتقاد کر کے میزان
میں اس کی تصحیح کر دی لیکن مختصر المستدرک میں خود علامہ ذہبی نے
اس حدیث کو ضعیف قرار دیا اور فرمایا کہ اس حدیث کے ایک راوی
ابوب ابن ہانی کو علامہ ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے نیز یہ حدیث
بخاری شریف و مسلم شریف کی حدیث کے مخالف بھی ہے جس میں اس
آیت کے نزول کا سبب آپ کا اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنا نہیں
بتایا بلکہ صحیح بخاری شریف نیز مسلم شریف کی حدیث سے ہی ثابت
ہے کہ ابوطالب کے لئے استغفار کرنے کے بارے میں یہ آیت وارد
ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب کے لئے دعا و مغفرت
کرنے سے اس آیت کے ذریعے منع کر دیا گیا نیز اس کے علاوہ جس قدر
اس مضمون کی احادیث ہیں جن کو طبرانی اور ابن سعد اور ابن شہاب
وغیرہم نے روایت کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں پچاسچہ علامہ
ابن سعد نے طبقات میں اس حدیث کے تخریج کے بعد اس کو غلط قرار
دیا ہے نیز سنن الحدیث علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے
رسالہ التعظیم المنہ میں اس مضمون کی تمام احادیث کو معلول قرار

دیا ہے۔ تفسیر مفہومی ص ۳۸ ج ۴، بیوت نبویہ ص ۱۰۰ تفسیر خزان العرف
 اعتراض ۵، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں
 کہ حضور کے والدین نے کفر پر وفات پائی۔ امام صاحب کے قول کے
 ہوتے ہوئے خفیوں کو سختی نہیں کہ ان کو مومن مانیں۔
 جواب، فقہ اکبر کے نسخوں میں بہت اختلاف ہے چنانچہ بعض نسخوں
 میں ہے کہ ماتا علی الکفر یعنی وہ دونوں کفر پر فوت ہوئے اور بعض
 میں ہے ماتا علی الکفر یعنی ان کا انتقال کفر پر نہیں ہوا اور بعض
 نسخوں میں تو یہ مسئلہ بالکل ہے ہی نہیں چنانچہ مولانا ذیل احمد صاحب
 سکندر پوری نے فقہ اکبر کا نہایت صحیح نسخہ حیدرآباد سے حاصل کر کے
 چھپوایا اور ثابت کیا کہ یہ نسخہ صحیح ہے اور باقی نسخے غلط ہیں لیکن اس نسخہ
 میں اس مسئلہ کا پتہ بھی نہیں تیر بعض نسخوں میں ہے کہ ماتا علی الفطرة
 یعنی یہ دونوں حضرات دین فطرت (توحید) پر دنیا سے رخصت ہو گئے
 اتنے اختلاف کے ہوتے ہوئے ایک نسخہ پر کیسے یقین کیا جائے اور بالفرض
 اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ مسئلہ اجتہادی ہے تقلیدی نہیں تاکہ اس میں
 امام صاحب کی پیروی واجب ہو بلکہ یہ تاریخی واقعہ ہے لہذا اگر اس
 کے خلاف ثابت ہو جائے تو اسی کو مانا جائے۔ (اشرف التفسیر)
 نیز اگر بالفرض و الحال فقہ اکبر میں ہو بھی تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں
 ہوں گے کہ آپ کے والدین (معاذ اللہ) کا فرمے کیونکہ ماتا کافرین
 نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہوگا کہ ان کی وفات زمانہ کفر میں قبل از اسلام
 ہوئی جیسا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَعَلَى النَّبِيِّ أَنْ إِيمَانَهُ قَالَ
 وَأَبْلَكَ فَمِنْهَا أَنْهَا مَاتَا عَلَى
 زَيْنِ الْكُفْرِ هَذَا لَيْقَ تَحْنِي

اور اگر بالفرض اس کو امام صاحب
 کا قول تسلیم کر لیا جائے تو معنی یہ
 ہوگا کہ آپ کے والدین نے زمانہ

اِتِّصَافُهَا بِاَلْاِيْمَانِ

کفر میں قبل از اسلام وفات پائی
 یہ اس بات کو متقنی نہیں ہے
 کہ وہ کفر سے متصف تھے۔

اعتراض ۴، والدین کو زندہ کر کے ایمان سے مشرف کرنا عقل و نقل
 کے خلاف ہے نقلاً تو اس لئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے عقلاً اس
 واسطے کہ نزاع سے پہلے کا ایمان معتبر ہوتا ہے لیکن وقت موت یا بعد
 از موت کا ایمان قابل قبول نہیں ہوتا بلکہ عذاب الہی دیکھ کر زندگی
 میں بھی معتبر نہیں ہوتا دیکھو قرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا تو فرمایا
 گیا کہ اَلَّذِي وَقَدْ عَصَيْتَ مِنْ قَبْلُ مِيعَتِي پھلے نافرمانی کر کے اب ایمان
 لاتا ہے، لہذا ان دونوں کا وفات کے بعد والا ایمان کیسے معتبر ہوگا؟
 جواب، حضرت یونس علیہ السلام کی قوم غدا ب دیکھ کر ایمان لائی
 جو کہ قبول ہو گیا جیسا کہ خود قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ موجود ہے
 فَلَوْ كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ
 فَنَجَّيْنَاهَا اِيْمَانُهَا اَلَا قَوْمُ
 يُونُسَ (عليه السلام)
 (پ، ن، آیت ۹۸)

وہاں کے لوگ (عذاب دیکھنے کے
 بعد) ایمان لائے ہوں اور ان
 کے ایمان نے ان کو نفع دیا ہو
 سولے قوم یونس کے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی یہ
 خصوصیت تھی کہ ان کی قوم کا ایمان حالت یاس میں (عذاب دیکھنے کے بعد)
 قبول کر لیا گیا اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ
 آپ کے والدین کریمین کا بعد از وفات ایمان قبول کر لیا گیا۔ خصوصیات
 قوانین کو خاص کر دیتی ہیں دیکھو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ڈوبا ہوا
 سورج واپس کر دیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اسی ہونی نماز

پڑھا دی اور ایک آدمی کے روزہ توڑنے پر اس کو کفارہ کے تمام شرائط سے مستثنیٰ فرما کر کعبہ کے صرف ایک ٹوکڑے سے کفارہ ادا کر دیا نیز حضرت خذیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو دو آدمیوں کے برابر گواہ قرار دے دیا اور یونہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت سیدہ فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسرا نکاح حرام قرار دیا اسی طرح یہاں بھی آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے والدین کریمین کا ایمان بعد از وفات قبول کر لیا گیا۔ خیال رہے کہ آج تک قوی دلیل تو کیا کسی ضعیف دلیل سے بھی آپ کے والدین کی بت پرستی یا عقیدہ کفر و شرک ثابت نہیں ہوا بلکہ ان کے ایمان کے ثبوت میں بے شمار دلائل ہیں لہذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے والدین کو زندہ فرما کر ایمان سے مشرف فرمانا صرف اپنی امت میں داخل کرنے کے لئے تھا پھر ان دونوں کا زندہ کرنا حضور کا معجزہ ہے اور حجزہ تو ہوتا ہی خلاف عقل ہے لہذا عقل کی رسانی و بل کیسے ہو سکتی ہے بلکہ عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ۔

نیز یہ حدیث بالکل صحیح ہے جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے قادیانے شامی جلد سوم باب المرتبین میں فرمایا ہے کہ علامہ امام قرطبی اور علامہ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہما نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے

نیز علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
 وحدیث احيائے والدین اگرچہ درجات خود ضعیف است لیکن تصحیح و تحقیق کردہ اندازاً تبعہ و طرق و اس علم گویا متور بود از متقدمین پس کشف کرد

آپ کے والدین کریمین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ فی حد ذاتہ ضعیف ہے لیکن علماء نے متعدد طریقوں سے اس حدیث کی تصحیح و تحقیق کر دی گویا یہ علم علماء متقدمین سے

انرا حق تعالیٰ برمتاخرین
 و اللہ یختص بر حکمتہ
 من یشاء لہما شاء
 من فضلہ (اشعہ اللہ تعالیٰ
 شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور ص ۱۰۰)
 علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔

وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ فِي التَّنْكِيرِ
 أَنَّ صَاحِبَكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَصَّاهُكُمْ
 لَمْ تَنْزِلْ تَتَوَالِي وَتَتَابَعُ إِلَى
 حَيِّزٍ مَمَاتِهِ فَيَكُونُ هَذَا
 بِمَا فَضَّلَكُمُ اللَّهُ بِهِ وَالْكَرْمَةُ
 قَالَ وَكَيْفَ أَحْيَاءُ هُمْ وَأَيُّ
 أَيْبَانِهِمْ يَمْتَنِعُ عَقْلًا وَ
 شَرْعًا فَقَدْ وَرَدَ فِي
 الْكِتَابِ الْحَيِّزِ أَحْيَاءُ
 قَتِيلِ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَ
 أَحْيَاءُ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَكَانَ
 عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ حَيًّا
 الْمَوْتَى وَكَذَلِكَ مِثْلُ مَا صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَى
 اللَّهُ عَلَى يَدِهِ جَبَاعَةً
 مِنَ الْمَوْتَى قَالَ وَدَائِبَتِ

علامہ قرطبی نے کتاب التذکرہ بامور
 الآخرہ میں فرمایا کہ بلاشبہ حضور علیہ
 الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و خصوصیات
 متواترہ اور پے درپے آپ کی وفات
 تک پڑھتے اور زیادہ ہوتے رہے
 اور آپ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان
 لانا یہ اس فضل و کرم میں سے ہے
 جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیا ہے
 اور آپ کے والدین کا زندہ ہو کر
 ایمان لانا تو عقلاً ناممکن ہے اور نہ
 ہی شرعاً ممکن ہے کیونکہ قرآن عزیز
 میں موجود ہے کہ بنی اسرائیل کا قتل
 زندہ کیا گیا جس نے زندہ ہو کر اپنے
 قاتل کی خبر دی تھی اور حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے
 اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ

هَذَا فَمَا يَتَّبِعُ إِيْمَانُهُمَا
لَعَدَّ أَحْيَاءَهُمَا وَيَكُونُ
خَابِكُ زِيَادَةٍ فِي كَرَامَتِهِ
وَفَضْلِهِ

پر بہت سے مرفے زندہ فرمائے
جب یہ ثابت ہے تو آپ کے
والدین کا زندہ ہونے کے بعد
ایمان لانا متنع نہ رہا بلکہ یہ امر آپ
کی فضیلت و کرامت میں زیادتی
کا باعث ہوگا۔

حضرت آدم سے حضور کے والدین تک ایمان کی بحث

ہم یہاں اس بحث کو تین ادوار میں تقسیم کریں گے۔
پہلا دور۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح
علیہ السلام تک

دوسرا دور۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک
تیسرا دور۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے والدین کریمین تک۔

پہلا دور حضرت آدم سے حضرت نوح تک۔
خیال میں رہے کہ جمہور محققین کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام سے
لے کر حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے زمانہ تک لوگ ایک ہی دین
پر قائم تھے اور وہ ہے دین حق اور توحید الہی کا دین جس پر تمام لوگ قائم
تھے اور اس وقت کوئی مشرک نہ تھا اور نہ ہی وہ لوگ شرک سے آگاہ
تھے اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش
کے زمانہ کے قریب جس وقت لوگوں میں سے کچھ لوگوں نے بد اعتقاد می تو
اپنا نام شروع کیا اور بتوں کی پوجا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت
نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ توحید پر قائم رہنے والوں کو بشارت
سناؤ اور کفر و شرک اختیار کرنے والوں کو ڈراؤ۔

جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً
فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ
وَمُنْذِرِينَ وَأَتَىٰ نَحْنُ
وَابْتَدَأَ فِي سِرْبِ لُوكِ اِيكِ هِي دِينِ پَر قَائِمِ
تھے پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہوا، تو
اللہ تعالیٰ نے انہیں کرام بھیجے خوشخبری

الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُخْشِيَ النَّاسُ
فَمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ

(پ ۱۲، ص ۱۲، آیت ۲۱۳)

منانے والے اور ڈرانے والے اور ان کے
ساتھ سچی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں
میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے۔

خیال میں رہے کہ اس آیت کریمہ کے تحت مفسرین کرام نے چند اقوال
ذکر کئے ہیں لیکن ہم یہاں فی الحال وہ اقوال ذکر کریں گے جو ہمارے دعوے
کے ثبوت میں ہیں کیونکہ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں دیگر اقوال ذکر
کر کے ان کی خوب تردید کر دی ہے، لہذا ہم آخر میں تفسیر کبیر کی وہ تمام
بحث ذکر کریں گے جس میں دیگر اقوال کا تذکرہ تردید سمیت خود بخود آجائے گا
تفسیر ضیاء القرآن میں حضرت العلامة ضیاء الملت والہدین پیر سید
محمد کرم شاہ الازہری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ

دین کی تاریخ کھنے والے اس کے آغاز اس کی نشو و نما اور اس کے
عروج کی داستان قلمبند کرنے والے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے
بدلوں سرگرداں رہے کہ دین کی ابتدا کیونکر ہوئی اور انہی طویل تحقیق کا نتیجہ
یہ تھا کہ انسان ابتداء میں مشرک تھا اور عقیدہ توحید تک اس کی رسانی آہستہ
آہستہ سینکڑوں صدیاں ٹھوکریں کھانے کے بعد ہوئی، قرآن بتاتا ہے کہ
یوں نہیں بلکہ انسان اول آدم علیہ السلام، موجد تھا شرک سے اس کا
کوئی سروکار نہ تھا اور عرصہ دراز تک اس کی اولاد عقیدہ توحید پر ثابت قدم
رہی قرآن نے اس سوال کا جواب جو صدیوں پہلے دیا تھا اور جس کو تسلیم
کرنے کے لئے یورپ کے محقق کل تک تیار نہ تھے آج مجبوراً تسلیم کر رہے
ہیں چنانچہ آثار قدیمہ کے ماہرین انانیات و اجتماعیات علماء سرچارلس
مارشٹن، پروفیسر ٹگٹن اور پروفیسر شلٹ کا یہی فیصلہ ہے کہ انسان کا
دین اولیں دین توحید تھا۔

(تفسیر ضیاء القرآن بحوالہ تفسیر ماجدی)

تفسیر خازن

قدوة العلماء ناصر الشریعہ والدین علامہ صوفی علاء الدین علی
بن محمد بن ابراہیم بغدادی تفسیر خازن میں اس آیت کریمہ

کے تحت لکھتے ہیں کہ

وَالنَّاسُ عَلَى شَرِّ نَفْسٍ
وَاحِدَةٍ مِنَ الْحَقِّ وَالْبَدَلِ
مَنْ وَفَّقَ آدَمَ إِلَى مَجْدِ
لَوْحٍ فَبَعَثَ اللَّهُ نُوحًا وَهُوَ
أَوَّلُ رُسُلٍ بَعَثَ

تفسیر ابن جلد اول ص ۱۲

تفسیر دارک التنزیل

پہلے تمام لوگ حضرت آدم سے لے کر حضرت
نوح تک رشد و ہدایت اور حق و انصاف
کی ایک شریعت پر قائم تھے پھر حبابان
میں اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے
حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا اور وہ پہلے
رسول ہیں جنہیں مبعوث فرمایا گیا۔

جلیل القدر امام حضرت علامہ ابو البرکات

عبد اللہ بن احمد بن محمود صاحب کثر الدقائق

والمناظرین نور الانوار اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

پہلے تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے

لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک ایک

ہی دین و دین اسلام پر متفق تھے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً

شَفَقَ عَلَيَّ عَلَى دِينِ الْإِسْلَامِ

مَنْ آدَمَ إِلَى نُوحٍ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ

تفسیر مدارک التنزیل علی الخازن ص ۱۲

تفسیر ابن کثیر

علامہ حافظ اسماعیل عماد الدین ابن کثیر اس آیت کریمہ کے

تحت لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ

عنہما کا بیان ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان

دس زمانے گزرے ہیں ان زمانوں کے لوگ دین حق اور شریعت الہیہ

کے پابند تھے پھر حباب پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہی کرام علیہم

السلام کو مبعوث فرمایا بلکہ آپ کی قرأت بھی یوں ہے

وَلِئَلَّا فَاتَخَلَفُوا فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ

یعنی تمام لوگ ایک ہی دین پر قائم

تھے پھر جب اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی یہی ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تفسیر اس طرح کی ہے جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر جلد اول پارہ دوم ص ۱۰۷)

تفسیر صومی و حاشیہ علی الجلالین، قاضی رسول اللہ عارف باللہ حضرت شیخ الاصفیاء علامہ احمد بن محمد صومی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

أَخْبَرَنِي مُبْدِئُ الدُّنْيَا مِنْ آدَمَ
إِلَى إِدْرِيسَ وَقِيلَ مِنْ آدَمَ إِلَى
نُوحٍ وَالْمَعْنَى أَنَّكُمْ كَانُوا عَلَى
الْحَقِّ وَكَانَ اخْتِلَافٌ بَيْنَهُمْ
فِي تِلْكَ الدَّعَةِ

خیال میں رہے کہ شیخ زادہ حاشیہ تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ
یصح قول کے مطابق جناب حضرت دریں علیہ السلام
حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں۔
حامل شریعت و طریقت حضرت علامہ قاضی محمد تبار اللہ عثمانی
حنفی مظہری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

علامہ بزار نے اپنی مسند میں اور علامہ ابن جریر اور علامہ ابن ابی حاتم اور
علامہ ابن منذر نے اپنی تفسیر میں اور علامہ حاکم نے اپنی کتاب المستدرک میں حضرت
عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مبارکہ نقل فرمائی ہے اور اس

حدیث مبارکہ کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ
ہَلْ بَيْنَ آدَمَ وَنُوحٍ
عَشْرَةُ قُرُونٍ كُلُّهَا
عَلَى شَرِّ نَجِيَّةٍ وَتَحْتَ
الْحَقِّ فَأَخْتَلَفُوا

نیز علامہ مظہری فرماتے ہیں کہ اسی طرح علامہ ابن حاتم نے حضرت قتادہ
رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

أَخْبَرَنِي كَثِيرٌ مِنْ قُرُونٍ
كُلُّهَا عَلَى شَرِّ نَجِيَّةٍ وَتَحْتَ
مِنَ الْحَقِّ ثُمَّ اخْتَلَفُوا
فَبَعَثَ اللَّهُ نُوحًا وَكَانَ
نُوحٌ أَوَّلَ رَسُولٍ أَرْسَلَهُ
اللَّهُ إِلَى الْبَشَرِ

تفسیر انوار التبریل عرف بیضاوی حضرت علامہ سلطان المحققین
قاضی ناصر الدین بیضاوی اس

آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ
مُتَّفِقِينَ عَلَى الْحَقِّ فَبَيْنَا
بَيْنَ آدَمَ وَنُوحٍ
حَاشِيَةُ عَلَامَةِ عَبْدِ الْحَكِيمِ عَلَى الْبَيْضَاوِيِّ
علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ
لکھتے ہیں کہ روضۃ الاحباب میں مذکور

ہے کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں تمام
لوگ موحد اور اپنے دین کے ساتھ نہایت مضبوطی سے وابستہ تھے اور ان سے

فرتے مصافحہ کرتے البتہ قابیل اور اس کے پیروکار حضرت اورس علیہ السلام کے آسمان پر اٹھانے جانے کے زمانہ تک اسلام سے روگرداں رہے پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور چونکہ قابیل وغیرہ بہت کم لوگ تھے جو دین حق سے روگرداں تھے لہذا الْقَلِيلُ كَالْكَثِيرِ دیکھو ٹھوڑے نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں، کے مطابق ان کو نہ ہونے کے برابر قرار دے کر قرآن کریم میں تمام لوگوں کو ایک ہی دین پر قرار دے دیا گیا ہے پھر علامہ عبدالحکیم سیکنوی چند سطور بعد فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک تمام لوگ دین حق پر تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس زمانے گزرے ہیں جن میں لوگ شریعت حق پر قائم رہے پھر بعد ازاں ان میں اختلاف پیدا ہو گیا جیسا کہ تفسیر کشاف میں ہے۔

شیخ زادہ علی البیضاوی حضرت الامام محی الدین محمد بن

مصطفیٰ القوجوی اس آیت شریفہ کی

تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیت کریمہ میں بیان کیا کہ کفار کی طرف سے کفر پر اصرار کرنے کا اصل سبب دنیا کی محبت اور جاہ و جلال ہوس و فتنہ اس زمانہ سے مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے گذشتہ زمانوں میں بھی یہی بیماریاں موجود تھیں کیونکہ پہلے تمام لوگ دین حق پر متفق و مجتمع تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اس کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ دنیا کی محبت اور مال و دولت کی ہوس اور جاہ و منصب کی حرص نے ان میں باہم حسد و کینہ اور بغض و عناد اور سرکشی و بے دینی پیدا کر دی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو ان لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا بہر حال یہ آیت کریمہ اس بات پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ پہلے

تمام لوگ ایک ہی دین پر متفق تھے لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ لوگ دین حق پر تھے یا باطل پر تھے بلکہ پوری آیت پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ پہلے تمام لوگ حق پر تھے جیسا کہ علامہ موصوف بیان کرتے ہیں کہ البتہ متعین مفسرین کی اکثریت نے اس بات کو اختیار فرمایا ہے کہ پہلے تمام لوگ ایمان اور اتباع حق میں متفق تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ | پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا۔

کیونکہ یہ فرمان الہی تقاضا کرتا ہے کہ انبیاء کے کرام کو اختلاف کے بعد بھیجا گیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی اس بات کی تائید کرتی ہے کہ اختلاف کے بعد پیغمبروں کو بھیجا گیا، اور اختلاف کے بعد پیغمبروں کو بھیجا جانا تقاضا کرتا ہے کہ پہلے تمام لوگ حق پر تھے کیوں کہ اختلاف سے پہلے تمام لوگ کفر و باطل پر ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا اختلاف سے پہلے ہی انبیاء کرام کو بھیج دینا بہ طریق اولیٰ ضروری تھا کہ تمام لوگوں کو کفر و شرک سے نجات دلا دے۔

کیونکہ اختلاف کے بعد جبکہ اکثر لوگ ایمان اور حق پر قائم ہوں اور کچھ لوگوں نے حق اور انصاف کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کر لیا ہو اس وقت انبیاء کرام کو بھیجنے سے کئی درجے بہتر یہ ہے کہ جب تمام لوگ کفر و شرک پر ہوں اس وقت انبیاء کرام کو بھیجا جائے حالانکہ اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو اختلاف کے بعد بھیجا جس سے معلوم ہوا کہ پہلے تمام لوگ حق پر تھے جب دنیا کی محبت اور مال و دولت کی حرص میں ڈوب گئے تو لوگوں نے دین حق کا ساتھ چھوڑ دیا اور گمراہی کے شرک کرنے تو اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کو مٹانے اور تمام لوگوں کو دین حق کے ایک پلیٹ فارم پر متفق کرنے کے لئے انبیاء کرام کو بھیجا شروع کیا پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اپنی اولاد کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا اور آپ کی وہ تمام

اولاد مسلمان اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری دجواپ کی وفات تک چالیس ہزار تک پہنچ چکی تھی، سولے ایک قابل کے جس نے حسد و بغض اور سرکشی کی بنا پر بائبل کو قتل کر دیا تھا اور یہ بات نقل متواتر سے ثابت ہے اور اس پر خود قرآن کریم کی ایک آیت ناظر ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔
 وَأَنزَلْنَا عَلَىٰ عِبَادِهِمُ الْكِتَابَ ۚ وَلَقَدْ جَاءُوكَ بِالْحَقِّ ۚ إِذْ قَرَأُوا مَا قَدْ آتَيْنَا قَبْلُ ۚ وَمِنَ الْآخِذِينَ ۚ قَالُوا لَا تَقْبَلُوا مِنَّا نَبَأَ ۚ قَالُوا إِنَّمَا يَنْتَقِلُ اللَّهُ مِنَ الثَّقِينِ ۚ

اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک قرآنی پیش کی تو ایک سے قبول کر لی گئی، اور دوسرے سے قبول نہ کی گئی داس دوسرے نے کہا قسم ہے مجھے میں قتل کر دوں گا تو پہلے نے کہا (تو بلا وجہ ناراض ہوتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں سے قبول فرماتا ہے۔)

(پ ۱۶، ص ۵، آیت ۲۷)

چنانچہ قابل نے اپنی قرآنی قبول نہ ہونے کی بنا پر اپنے بھائی بائبل کو قتل کر ڈالا تھا اور یہ قتل وفات اور سرکشی صرف بغض و حسد بطنی تھی اور جب پہلے لوگوں کا دین حق پر متفق ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو گیا ہے اور ان لوگوں کا کفر و باطل پر ہونا دلائل سے ثابت نہیں تو آیت کریمہ کو اس مفہوم اور معنی پر محمول کیا جائے گا جو دلیل سے ثابت ہو چکا ہے نہ کہ اس معنی پر جو دلیل سے ثابت نہیں بلکہ حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما کی روایات میں موجود ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ

کان من وقت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام الی مبعث نوح علیہ السلام وکان بینہما عشق قرینی کلہم علی شریعة واحدة من الحق لا یعد

حضرت آدم کے وقت سے لیکر حضرت نوح کی بعثت تک کے درمیان دس صدیاں گزری ہیں جن میں تمام لوگ ہدایت حق کی ایک ہی شریعت پر قائم رہے۔

پھر جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا یہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔

علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ذبیہ سے مروی ہے کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے آقا سیدنا و مولینا حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التبیۃ والسنۃ کی بعثت مبارکہ تک پانچ ہزار آٹھ سو سال کا عرصہ گزرا ہے، بعض نے کہا ہے کہ اس سے بھی زیادہ عرصہ گزرا ہے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نو سو سال ظاہری حیات مبارکہ کے ساتھ زندہ رہے اور اس وقت تمام لوگ نے بن حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھے۔

(شیخ زادہ علی البیضاوی المحدث الاول ص ۵۵)

تفسیر البوسعدی علامہ البوسعدی اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔

وَكَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ مَتَّفِقِينَ عَلَىٰ كَلِمَةٍ ۚ وَبِذِیٰ السَّلَۃِ مَتَّفِیۡتِیۡحِ الْغِیۡبِ عَرَفَ تَفْصِیۡرِ کَبِیۡرِ

تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ یعنی تمام لوگ کلمہ حق اور دین اسلام پر قائم تھے امام محمد فخر الدین رازی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیت مبارکہ میں بیان فرمایا ہے کہ کافروں کا اپنے کفر پر اصرار کرنے کا سبب دنیا کی اندھی عبت ہے تو اس آیت مبارکہ میں اللہ کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ بیماری موجودہ لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ گذشتہ قوموں میں بھی یہ بیماری موجود تھی۔

وَكَانَ النَّاسُ كَافِرًا ۚ وَاحِدَةً قَائِمَةً عَلَىٰ الْحَقِّ ۚ لَمَّا اُخْتَلَفُوا

کیونکہ پہلے تمام لوگ ایک جماعت بن کر حق پر قائم تھے پھر انہیں اختلاف پیدا ہو گیا۔

اور ان کے اختلاف کا اصل سبب سرکشی اور آپس میں ایک دوسرے سے حد کرنا، بغض و کینہ رکھنا اور طلب دنیا میں ایک دوسرے سے جھگڑنا تھا۔ اہم راوی فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ کے تحت مفسرین کرام نے تین مختلف اقوال بیان کیے ہیں مگر اہم راوی نے پانچ قول ذکر کئے ہیں۔

پہلا قول۔

اَلَّذِي كَانَ عَلَىٰ دِينٍ وَاحِدٍ
وَهُوَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ وَهَذَا
قَوْلُ الْاَشْرَافِ الْمُحَقِّقِينَ وَكَيْفَ
عَلَيْهِمْ وَجُوهٌ

بلاشبہ پہلے تمام لوگ ایک ہی دین پر قائم تھے اور وہ ایمان اور دین حق ہے جس پر لوگ قائم تھے اور یہی اکثر محققین علمائے دین کا فرمان ہے اور اس پر کئی دلیلیں راہنمائی کرتی ہیں۔

علامہ قفال نے کہا کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ
فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُتَّبِعِينَ | پس اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو بخبری و مُتَّبِعِينَ (الہ) | سنانے والے اور ڈرانے والے۔
یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام کو تب بھیجا گیا جب لوگوں میں دین کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اختلاف کا پراپنا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ہمارے اس دعوے کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول قرأت کرتی ہے کیونکہ آپ نے اس آیت کو یوں پڑھا۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً
فَاخْتَلَفُوا فَبَعَثَ اللَّهُ
النَّبِيِّينَ

تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے پھر جب ان میں اختلاف برپا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا۔
جب تم نے یہ بات جان لی تو اب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ (الہ) میں خاص ہے جو دما جان اصول فقہ کے

نزدیک تعقوب مع الوصل کے لئے استعمال ہوتا ہے، تفصلاً کرتا ہے کہ انبیاء کرام کو اختلاف کے بعد بھیجا گیا ہے لہذا اگر اختلاف سے پہلے ہی تمام لوگ کافر ہوتے تو اس اختلاف سے پہلے انبیاء کرام کو بھیجا زیادہ ضروری اور بہتر تھا کیونکہ جب انہیں اختلاف کے بعد اس وقت بھیجا گیا جب کہ کچھ لوگ اپنے ایمان پر قائم تھے اور کچھ لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تھا تو اختلاف سے پہلے جب تمام لوگ کافر ہوتے اس وقت انبیاء کرام کو بھیجا بہتر طریق اولیٰ بہتر اور زیادہ ضروری تھا۔

یہ پہلی وجہ ہے جسے علامہ قفال رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑے خوبصورت طریقے سے پیش کیا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کی ذاتی دلالت اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق انبیاء کرام کو اختلاف کے بعد بھیجا گیا اور اس آیت کے وصف میں اختلاف کا سبب بغاوت و سرکشی کو قرار دیا گیا ہے اور بغاوت و سرکشی کی وجہ سے ہلال دین جنم لیتے ہیں لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام لوگ پہلے دین حق پر قائم تھے نہ کہ باطل پر پھر کچھ لوگوں نے مال و دولت کے لئے میں بغاوت و سرکشی شروع کر دی جس کی وجہ سے دین حق سے منحرف ہو کر کفر و شرک کا باطل مذہب اختیار کر لیا اور اس ناقابل معافی جرم کی وجہ سے خطرناک اختلاف برپا ہو گیا جس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھیجنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اپنی اولاد کی طرف مبعوث فرمایا تو اس وقت تمام لوگ مسلمان اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور اس وقت ان میں دین کے متعلق کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ تھا یہاں تک کہ قابل نے جناب ابیل کو بغض و

حد اور بقاوت و سرکشی کے نشے میں قتل کر ڈالا اور یہ بات نقل متواتر اور قرآن حکیم سے ثابت ہے (جسے ہم شیخ زادہ کی تقریر میں بیان کر چکے ہیں) اس دلیل سے ثابت ہوا کہ تمام لوگ پہلے دین حق پر تھے پھر ان میں حسد و بغض کی بنا پر اختلاف ہوا اور قتل و غارت ہوئی اور اس طرح قابیل اور اس کے چند پیروکاروں کے ایک گروہ نے کفر اختیار کر لیا مگر یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں کہ پہلے تمام لوگ کفر پر تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا ہو اور نہ ہی کسی دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ ایمان اور دین حق کے بعد لوگوں نے منحرف ہو کر کفر اختیار کر لیا ہو۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ طوفان نوح میں تمام کافر غرق ہو گئے تھے صرف وہی لوگ بچے تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے اور وہ تمام کے تمام مسلمان تھے اور دین حق پر قائم تھے پھر کافی عرصہ بعد ان میں اختلاف ہوا تو کچھ لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور یہ واقعہ نقل متواتر اور دلائل یقینی سے ثابت ہے جس سے ثابت ہوا کہ ہمیشہ پہلے لوگ حق پر ہوتے ہیں پھر اس کے بعد اختلاف کر کے کچھ لوگ کافر ہو جاتے ہیں اور یہ بات دلائل سے قطعاً ثابت نہیں کہ وہ تمام لوگ باطل اور کفر پر متفق رہے ہوں لہذا جب بات یوں ہی ہے تو اس آیت مبارکہ کو بھی اسی مطلب پر محمول کیا جائے گا جو دلیل سے ثابت ہے (اور وہ یہ ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے پھر اختلاف ہوا) اور اس مطلب پر ہرگز محمول نہیں کیا جائے گا جو دلیل سے ثابت نہیں (خیال میں رہے کہ اس سے پہلے قول کی تائید میں امام رازی نے سات وجوہ بیان کی ہیں ہم نے ان میں سے چار وجوہ بیان کی ہیں طوالت کے اندیشے سے باقی ترک کر دی ہیں)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تمام لوگ پہلے دین باطل پر تھے اور اس قول کو مفسرین کے ایک گروہ نے اختیار کیا ہے جیسے حضرت

حن بصری، حضرت عطاء اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس، انکی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی طرف انبیاء کرام بھیجے جس سے معلوم ہوا کہ پہلے وہ حق پر نہ تھے امام رازی فرماتے ہیں انکی اس دلیل کے جوابات وہ تمام دلائل ہیں جو پہلے بیان کئے جا چکے ہیں ان کے علاوہ ایک جواب یہ ہے کہ انبیائے کرام کا اختلاف کے بعد بھیجا جانا خود ہمارے دعوے کی دلیل ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے پھر جب ان میں اختلاف ہوا تو انبیائے کرام کو بھیجا گیا اگر اختلاف سے پہلے سارے لوگ کفر پر ہوتے تو انبیائے کرام کو بھی اختلاف سے پہلے بھیج دیا جاتا حالانکہ انبیاء کرام کو اختلاف کے بعد بھیجا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ تمام لوگ کفر پر ہرگز نہیں رہے کیونکہ ان ہی میں جناب یاسیل، حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام اور دیگر مسلمان موجود تھے اگر اس کے جواب میں کہا جائے کہ چونکہ غالب اکثریت کافروں کی تھی اور مسلمان اقلیت میں تھے اس لئے سب پر حکم لگا دیا گیا کہ تمام لوگ کفر پر تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو یہ بات سابقہ دلائل کی روشنی میں غلط ہے دوسرا یہ کہ ہمارا اصل مدعی پھر بھی ثابت ہو جائے گا اور وہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آباء اجداد حضرت آدم علیہ السلام سے والدین کریمین تک موحد و مسلمان تھے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ میں ہمیشہ ہر زمانے کے بہترین لوگوں میں منتقل ہوتا آیا ہوں اور ہر زمانے میں بہتر لوگ مسلمان ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ مسلمان ہی کافروں سے بہترین ہیں لہذا ہر زمانے میں جو لوگ دین حق پر تھے انہی میں حضور کے آباء اجداد بھی تھے پس ثابت ہوا کہ حضور سرور کائنات، فخر موجودات، ہادئ مخلوقات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے تمام آباء اجداد موحد و مسلمان تھے اور وہ ہمیشہ دین حق پر قائم رہے۔

تیسرا قول - یہ ہے کہ پہلے تمام لوگ شرائع عقیدہ پر قائم تھے اور وہ یہ ہے کہ صالح اور اس کی صفات کا اعتراف کرنا اور اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا اور عقل کے تقاضے کے مطابق اس کی خدمت میں لگے رہنا اور جو چیزیں عقل کے نزدیک بری ہیں انہیں چھوڑ دینا جیسے ظلم، جھوٹ، زنا، جہالت، کھیل، ناشائستہ اور دیگر بے فائدہ لغو کام، اس قول کو ابو سلمہ اور قاضی نے اختیار کیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ قول اس وقت ثابت اور درست ہو سکتا ہے جب یہ مان لیا جائے کہ عقل خود دیکھ و بد، قبح، حیس اور حق و باطل کی تمیز کر سکتی ہو حالانکہ اگر عقل کافی ہوتی تو انبیاء کرام کو نہ بھیجا جاتا اور نہ ہی شریعت دینے اور کتابیں نازل کرنے کی ضرورت ہوتی بلکہ عقل کے ذریعے کفر و شرک کو ترک کرنا اور توحید و ایمان کو اختیار کرنا لازمی اور ضروری ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں لہذا یہ قول بھی باطل ہو گیا۔

چوتھا قول - یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پہلے تمام لوگ صرف ایک ہی دین پر قائم تھے لیکن اس میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ وہ ایمان پر تھے یا کفر پر تھے لہذا اسمیں توقف ضروری ہے جب تک دلیل سے کوئی ایک معنی متعین نہیں ہو جاتا امام رازی نے اتنا ہی بیان کر کے پانچواں قول شروع کر دیا ہے لیکن ہم یہاں پانچواں قول ذکر کرنے سے پہلے یہ وضاحت کر دیتے ہیں کہ ہم اس آیت کریمہ کے تحت مختلف تفاسیر کے حوالہ جات سے دلائل کے ساتھ ثابت کر آئے ہیں کہ تمام لوگ پہلے ایمان اور حق پر تھے الا قبیل کے پھر بعد میں اختلاف ہوا تو پیغمبر بھیجے گئے لہذا جب دلائل سے جانب ایمان کا معنی متعین ہو گیا تو توقف کرنا باطل ہو گیا خصوصاً تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات

الشیخ زادہ میں حضرت قتادہ و حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایات کے بعد کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہتا اور روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک پوری دس صدیوں میں لوگ برابر ایمان اور حق پر رہے۔ والا قبیل کا قابیل دین میں ذمہ حقیقی

پانچواں قول - یہ ہے کہ یہاں اس آیت کریمہ کا لفظ الناس میں لفظ الناس سے مراد صرف اہل کتاب مراد ہوں اور مطلب

یہ ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے اہل کتاب پہلے ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب پر قائم رہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد آپس میں حسد و کینہ اور بغاوت و سرکشی کی وجہ سے انہیں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کرام کو بھیجا۔ امام رازی فرماتے ہیں، اگرچہ یہ قول آیت کے ماقبل اور مابعد کے

اعتبار سے درست ہے اور یہاں لفظ الناس میں الف لام عہد خارجی کا بھی احتمال ہے لیکن اس میں یہ خرابی لازم آتی ہے کہ آیت کا لفظ الناس میں لفظ الناس کو صرف اہل کتاب سے مخصوص کیا جائے حالانکہ یہ ظاہر آیت کے خلاف ہے کیونکہ مقصد تو یہ بتلانا ہے کہ ہر زمانے میں تمام لوگ پہلے ایک دین پر ہوتے تھے پھر جب ان میں اختلاف ہوتا تو پیغمبروں کو بھیج دیا جاتا نہ صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ اہل کتاب صرف ایک دین پر تھے اس لئے یہاں الف لام عہد خارجی بھی مراد نہیں لیا جاسکتا جیسا کہ علامہ رازی نے بطور احتمال ذکر کیا ہے،

(تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۲۰۳ تا ۲۰۴)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الحاوی للفقہاء میں لکھتے ہیں، (۱) علامہ بزار نے اپنی منہ میں اور علامہ ابن جریر، علامہ ابن منذر و علامہ

ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیریں اور علامہ امام حاکم نے اپنی کتاب المستدرک میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کان الناس امة واحدة کی تفسیر روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

كَانَ بَيْنَ آدَمَ وَنُوحٍ عَشْرَةُ قُرُونٍ كُلُّهُمْ عَلَى شَرِّ نَجَاةٍ مِنَ الْحَقِّ فَاحْتَلَفُوا فَبَعَثَ اللَّهُ الْبَنِيَّينَ قَالُوا كَذَلِكَ ابْنُ هَيْدَرٍ فِي قَوْلِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاحْتَلَفُوا

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیوں کا عرصہ گزر رہا ہے جس میں تمام لوگ شریعت حق پر قائم تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ کریم نے انبیاء کو بھیجا آپ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں اسی طرح ہے کہ تمام لوگ پہلے ایک دین پر تھے پھر ان میں اختلاف ہو گیا۔

(۱) حضرت ابو یعلیٰ، علامہ طبرانی اور امام ابن حاتم نے صحیح سند کے ساتھ کان الناس امة واحدة کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

(۲) علامہ ابن ابی حاتم نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیوں کا عرصہ گزر رہا ہے جب میں تمام لوگ راہ ہدایت اور شریعت حق پر قائم رہے پھر اس کے بعد ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح

كَانَ بَيْنَ آدَمَ وَنُوحٍ عَشْرَةُ قُرُونٍ كُلُّهُمْ عَلَى الْبِدْيِ وَعَلَى شَرِّ نَجَاةٍ مِنَ الْحَقِّ ثُمَّ اخْتَلَفُوا فَبَعَثَ اللَّهُ نُوحًا وَكَانَ أَوَّلُ

رَسُولٍ أَرْسَلَهُ اللَّهُ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ

علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا۔

(۳) علامہ ابن سعد نے حضرت سفیان بن سعید ثوری کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے۔ وہ اپنے والد سے اور ان کے والد حضرت عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عکرمہ نے فرمایا۔

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں ہوئی تھیں جن میں تمام لوگ اسلام پر قائم رہے۔

كَانَ بَيْنَ آدَمَ وَنُوحٍ عَشْرَةُ قُرُونٍ كُلُّهُمْ عَلَى الْإِسْلَامِ

خیال میں رہے کہ امام فخر الدین رازی آیت

مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

حضرت عطار نے فرمایا کہ حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان حضرت نوح علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں سے کوئی شخص کافر نہیں ہوا اور اس کے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس باپ دادے تھے۔

قَالَ عَطَا نُوْحٌ وَآدَمُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ مِنْ آبَائِهِمْ كَافِرًا وَكَانَ بَيْنَهُمَا عَشْرَةُ آبَاءٍ

(تفسیر میں جلد ۸ ص ۲۳)

نیز یہ روایت تفسیر خازن جلد چہارم ص ۲۳۱ میں موجود ہے۔

بہر حال نیچر یہ نکلا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک قبائل اور اس کی اولاد کے ماسواہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد اور اولاد حضرت نوح علیہ السلام تک اصول اسلام اور توحید الہی پر قائم تھے اور حضرت نوح علیہ السلام بنو قبائل کی اصلاح کے لئے

مبحث ہوئے تھے۔

دوسرا دور

حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یوں دعا مانگی۔

۱۱، رَبِّ اجْعَلْ لِي ذُرِّيَّتًا طَابَتْ لَهُمْ جُودِي وَأَرْحَمَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّكَ أَعْلَمُ الْغُيُوبِ ۚ (سورہ صافات، آیت ۲۸)

اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے مال باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہیں اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو اور کافروں کو نہ بڑھا کر تباہی میں۔

واضح رہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند جناب سام، اجماع امت اور نص قرآنی کے مطابق مومنین ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے والد گرامی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں نجات پائی تھی جو مسلمان تھا۔ (الحادی للفقادی جلد دوم ص ۲۱)

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلِّ ۚ وَأَعَزَّنَا فِي الْفُلِ أَنْ لَنْفُتَهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَادِينَ (سورہ صافات، آیت ۱۲)

پس جب انہوں نے حضرت نوح کو جھٹلایا تو ہم نے حضرت نوح کو اور انہیں جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے نجات دی اور اپنی آیتیں جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ نبوت و رسالت اور دیگر آیات الہیہ کے جھٹلانے والے تمام کافروں کو طوفان میں غرق کر دیا اور مذکورہ بالا آیت کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور تمام کافر تباہ ہو گئے۔

صرف حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے مسلمان ہو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے وہ بچ گئے تھے چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کل اسی مسلمان تھے جو کشتی میں سوار ہوئے تھے جن میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے سام، حام، یافث اور انکی تین بیویاں تھیں۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوم پارہ بارہواں صفحہ ۲۸۰، آیت فیروز، تفسیرہ نظری جلد سوم صفحہ ۲۸۰، تفسیر مدارک التنزیل، تفسیر خازن جلد دوم ص ۱۱)

جلد دوم ص ۱۱

نیز خیال میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ (سورہ صافات، آیت ۲۸)

اور ہم نے ان کی اولاد کو باقی رہنے والوں میں رکھا۔

چنانچہ طوفان کے بعد اب تک جتنے انسان ہیں سب حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی سے اترنے کے بعد آپ کے ساتھیوں میں چند مرد و عورت تھے وہ سب فوت ہو گئے سوا آپ کی اولاد اور انکی عورتوں کے، انہیں سے دنیا میں نسلیں چلیں، چنانچہ عرب، فارس اور روم آپ کے فرزند جناب سام کی نسل سے ہیں اور سوڈان کے لوگ آپ کے بیٹے حام کی نسل سے ہیں اور ترک اور یاجوج ماجوج وغیرہ آپ کے صاحبزادے یافث کی اولاد سے ہیں۔

(تفسیر الخازن العرفان، تفسیر ابن کثیر جلد چہارم پارہ تیسواں صفحہ ۳۵ عن قتادہ)

تفسیر خازن جلد چہارم ص ۳۵ عن سہرہ بن جندب، مدارک التنزیل عن قتادہ

تفسیر نظری جلد ہشتم ص ۱۲ عن سہرہ بن جندب، مدارک التنزیل عن قتادہ

جلد ہفتم ص ۱۳ عن ابن عباس، تفسیر الوسعود، بر تفسیر کبیر جلد ہفتم ص ۵۳)

حضرت علامہ الامام الفہام علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

(۱) اَبْلُوْا فَاَنْتُمْ اَنْتُمْ بِنَبِيٍّ ۱۔ بلکہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ سام بن نوح نبی تھے۔ اس روایت کو علامہ ابن سعد نے طبقات ابن سعد علامہ زہیر بن بکر نے الموفیات میں علامہ ابن عساکر نے علامہ کلبی سے نقل کیا ہے (۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تصریح ہے کہ جناب سام نوح کے بیٹے حضرت ارفخشذ ایمان دار اور مسلمان تھے۔ اس روایت کو علامہ ابن عبدالحکیم نے تاریخ مصر میں نقل کیا ہے اور اسی کتاب تاریخ مصر میں علامہ ابن عبدالحکیم نے یہ روایت بھی درج کی ہے کہ حضرت ارفخشذ نے اپنے دادا حضرت نوح علیہ السلام کی زیارت کی تھی اور جناب نوح علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں بادشاہت اور نبوت کو جاری فرمائے۔

(۳) حضرت ارفخشذ کی اولاد سے لے کر حضرت تارخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد تک حدیث شریف میں تصریح کی ہے کہ وہ سب ایمان دار تھے۔

(۵) علامہ ابن سعد نے الطبقات میں امام کلبی کی سند کے ساتھ حضرت ابوصالح کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوصالح نے فرمایا کہ جناب عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تھے تو ایک گاؤں میں تشریف لے گئے تھے اور آپ کے ساتھ کشتی سے جتنے افراد اترے تھے سب نے اپنے لئے ایک ایک گھر تعمیر کیا اور اس آبادی کا نام سوق الثمانین (یعنی سو آدمیوں کا بازار) رکھا اور قبائل کی تمام اولاد طوفان میں غرق ہو گئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک تمام آباد و اجداد اسلام پر تھے

ہر جب سوق الثمانین کی بستی تنگ ہو گئی تو لوگوں نے بابل کی طرف رخ کیا اور وہاں مکانات بنائے اور آباد ہو گئے اور انکی تعداد مسلسل بڑھتی گئی یہاں تک کہ ایک لاکھ تک پہنچ گئی اور وہ سب کے سب اسلام پر تھے اور وہ تمام لوگ بابل میں رہائشی تھے اور وہ ہمیشہ اسلام پر قائم رہے یہاں سے نمرود بن کوشی بن کنعان بن حام بن نوح ان کا بادشاہ بن گیا اور اس نے لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دی چنانچہ تمام لوگوں نے اپنے بادشاہ کے کہنے پر بت پرستی شروع کر دی (ما سوائے حضرت تارخ کے جو ایمان پر قائم رہے) واضح رہے کہ ان تمام احادیث مبارکہ سے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حضور نبی اکرم رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نمرود کے زمانہ تک سب کے سب مومن اور مسلمان تھے اور نمرود کے زمانہ میں حضور کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ~~ہذا اگر آذر بہت تراش و بت پرست~~ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد ہوتا تو سلسلہ نسب میں اس کا استثنیٰ کیا جاتا اور اگر آپ ہا چچا تھا تو اس کے استثنیٰ کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور اس قول سے میری مراد یہ ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ تھا بلکہ چچا تھا جیسا کہ سلف صالحین یعنی بزرگان دین نے بیان کیا ہے۔

امام ابن شیبہ امام ابن منذر اور امام ابن ابی حاتم نے متعدد سندوں کے ساتھ جن میں سے بعض صحیح ہیں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا۔ امام ابن منذر نے سند کے ساتھ حضرت ابن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیت کریمہ واذ قال ابراہیم لابیہ کہ تحت روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر ہرگز نہیں بلکہ ان کا نام تیرخ یا تارخ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلہ نسب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن تیرخ

یاد بخ بن شاور بن خ بن ناعور بن فالخ،

امام ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سدی دمعنی حضرت اسماعیل بن عبد الرحمن بن ابی کریم سدی متوفی ۱۲۷ھ سے نقل کیا ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر تھا؟ آپ نے جواب دیا نہیں ان کا نام تارخ تھا اور انہوں نے لغت کی رو سے یہ وجہ بتائی کہ اہل عرب حضرات لفظ "اب" کو عام طور پر باپ چچا دونوں کے لئے بولا کرتے ہیں اور یہ ان کا عام رواج ہے اگرچہ مجازی ہے (الحدادی مختلفا فی جلد دوم ص ۲۱)

جیسے چار سواں دادا، تانا، تانا اور چچا کو بالترتیب دادا ابو، تانا ابو تانا ابو اور چچا ابو کہا کرتے ہیں۔ بہر حال اس کی پوری تحقیق ہماری اسی کتاب میں اعتراضات و جوابات کے عنوان کے تحت کر دی گئی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

پیشہ اور

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے والدین کریمین تک

دین ابراہیمی کے بانی ہیں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں توحید ہمیشہ رہی چنانچہ امام غزالی نے "المسل والفل" میں ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین حنیف قائم رہا اور عرب کے سینوں میں توحید برقرار رہی یہاں تک کہ سب سے پہلے جس نے اسے بدلا اور بت پرستی کی بنیاد ڈالی وہ عمرو بن لُحی تھا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات درست اور صحیح ہے کیونکہ (۱) امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

میں نے عمرو بن عامر بن لُحی خزاعی کو دیکھا کہ (جہنم میں) اس کی آنتوں کو آگ کی گہرائیوں میں کھینچا جا رہا ہے کیونکہ اس نے بتوں کے نام چاروں چھوڑے تھے۔

(۲) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے بتوں کے نام پر جانوروں کو چھوڑنے اور بت پرستی کی ابتداء کی وہ ابو خزاعہ عمرو بن عامر ہے اور بے شک میں نے اسے دیکھا اس کی آنتوں کو آگ میں کھینچا جا رہا ہے۔

(۳) علامہ اسحاق اور علامہ ابن جریر نے اپنی اپنی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سید عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عمرو بن لُحی بن قحط بن جذب کو دیکھا کہ وہ جہنم کی آگ میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا ہے کیونکہ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیمی کو بدلا تھا۔ اور علامہ ابن اسحق کی روایت کے لفظ یہ ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کو بدلا تھا اور بتوں کی پرستش کو رائج کیا تھا اور اس نے جانوروں میں بکیر، بکرا، سانپ، و صیلہ اور عام مقرر کئے تھے۔

لے۔ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جو پانچ مرتبہ بچے بنتی اور آخر مرتبہ اس کے نہ ہونے اس کا کان چیر دیتے اور اس کا دودھ بتوں کے لئے روکتے تھے پھر اس کا نہ کوئی دودھ دودھ نہ اس پر سواری کرتا اور نہ اس کو ذبح کرتا اور نہ اس کو پانی اور چارہ سے روکا جاتا۔ سانپ وہ اونٹنی ہے کہ جب کوئی سفر پیش آتا یا کوئی بیمار ہو جاتا تو یہ نذر مان لیتا کہ اگر میں سفر سے بحیرت واپس آ جاؤں یا نذر دست ہو جاؤں تو میری فلاح اونٹنی سانپ (یعنی آزاد) ہے اور اسے بتوں کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس سے کوئی کام نہ لے سکتا تھا۔ (ابن ابی شیبہ)

شُرک کا آغاز

(۱) علامہ بزار نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس نے فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد تمام لوگ اسلام پر قائم تھے مگر شیطان انہیں پرانی پرگتا رلا۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو اسلام سے گشتہ کر دے یہاں تک کہ وہ تبلیہ میں بھی داخل انداز ہو گیا اور تبلیہ کے الفاظ بنا دیئے۔

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكَ هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَهَامَلُكَ

یعنی میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ تیرا شریک ہے جسے تو نے اپنی ملکیت کا مالک بنا دیا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شیطان نے یہ ہم جاری رکھی یہاں تک کہ بہت بڑی اکثریت کو اسلام سے نکال کر شرک کی طرف لے آیا۔ (۲) امام نسائی نے "الروض الافلح" میں بیان کیا ہے کہ عمرو بن لُحی کا وہ زمانہ ہے جب قبیلہ خزاعہ نے بیت اللہ شریف پر غلبہ حاصل کیا تو قبیلہ جرہم

بقیہ صوفیان : یا فطح اٹھانا بحیرہ کی طرح حرام جانا جاتا تھا اور جب کوئی بکری ست مرتبہ بچے جن چکنی تو اگر ساتواں مرتبہ نہ چھوٹا تو اس کو مرد کھاتے اور اگر مادہ ہوتا تو بکریوں میں چھوڑ دیا جاتا اور اگر مردادہ دونوں چڑواں ہوتے تو کہا جاتا یہ مادہ اپنے نہ جاتی سے مل گئی لہذا اسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا اور اسے وسیلہ دینے والی کہا جاتا۔ اور جب نراؤنٹ سے دس گنا بھد حاصل ہو جاتے تو اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا نہ اس پر سوار کی جاتی اور نہ اس سے کوئی کام لیا جاتا اور نہ اس کو چارے پانی سے روکا جاتا ایسے جانور کو حامی کہا جاتا تھا۔

(تفسیر مدارک التنزیل جلد اول ص ۵۳)

لوگ سے دور کر دیا اور اہل عرب پر سود کو جاری کر دیا یہ نرانی بات ان کی معاشرت میں نہ تھی مگر وہ تیزی سے لینے لگا کیونکہ وہ موسم حج میں لوگوں کو کھانا کھلاتا اور کپڑے پہناتا تھا۔

(۳) علامہ ابن اسحق نے ذکر کیا ہے کہ یہی عمرو بن لُحی ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے حرم شریف میں بتوں کو داخل کیا اور لوگوں کو ان کی پوجا پر ابھارا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے تبلیہ کے یہ الفاظ تھے۔

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ

یہاں تک کہ عمرو بن لُحی جب یہ تبلیہ پڑھ رہا تھا تو شیطان ایک بزرگ کی صورت بن کر اس کا ساتھی بن گیا اور تبلیہ کہنے لگا جب عمرو نے کہا لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ تو بزرگ صورت شیطان نے اضافہ کیا کہ - لَا شَرِيكَ لَكَ عمرو نے اس کا انکار کیا اور کہا یہ کیا ہے شیطان نے کہا قُلْ تَمْلِكُهُ وَهَامَلُكَ ، یعنی کہو وہ تیرا شریک ہے جس کو تو نے ملکیت دہی کیونکہ اس کے کہنے کو کوئی حرج نہیں چنانچہ عمرو نے یہی کہنا شروع کیا اور اہل عرب بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔

(۴) حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ تمام عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے یہاں تک کہ عمرو بن عامر خزاعی مکہ مکرمہ کا متولی بن بیٹھا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کو اہم سے کعبہ شریف کی تولیت چھین لی جس کی وجہ سے آپ کے اجداد کو اہم سے کعبہ معظمہ کی تولیت نکل گئی اور اس عمرو بن عامر خزاعی بد بخت نے بت پرستی رائج کر دی اور سوائب وغیرہ مقرر کر کے عرب میں بے مٹی پھیلائی اور تبلیہ میں لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ کے بعد لَا شَرِيكَ ہوا قُلْ تَمْلِكُهُ وَهَامَلُكَ کا اضافہ کیا یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ کہا اور

اہل عرب نے شرک میں اس کی پیروی کی اس کے بعد اہل عرب قوم فوج اور گنت تمام امتوں کے مشابہ بن گئے ان میں سے کچھ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم رہے نہانہ کعبہ کی تولیت کی مدت جس میں عمرو بن عامر بن لُحی خزاعی قابض رہا تین سو سال ہے اس کی تولیت کا زمانہ بڑا منحوس دور تھا یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت قحطی رضی اللہ عنہ نے اس سے جنگ کی اور اس جنگ کو کامیاب بنانے کے لئے سارے عرب سے مدد مانگی اور تمام عرب آپ کے ساتھ ہو گیا اور قبیلہ خزاعہ سے فائدہ کعبہ کی تولیت دوبارہ حاصل کر لی لیکن اہل عرب نے اس رسم بد کو جسے عمرو بن عامر خزاعی نے بت پرستی وغیرہ کی صورت میں جاری کر دی تھی نہ چھوڑا کیونکہ انہوں نے اپنے دل و دماغ میں یہ بات بٹھالی کہ اب اس میں تبدیلی جائز نہیں پس ثابت ہوا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر عمرو بن عامر خزاعی کے زمانہ تک سب کے سب یقیناً مومن اور مسلمان تھے۔

(الحاوی للفتاویٰ جلد دوم ص ۲۱۵ تا ۲۱۶)

کلمہ توحید کا نسل ابراہیمی میں جاری رہنا

(۱) وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّهِ
وَقَوْمِهِ إِنِّي أَبْرَأُكُمْ مِنَ الْعِبَادَةِ
إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَمْعِدِين
وَجَعَلْنَا كَلِمَةً تَمَاقِيَةً مِمَّا
عَقِبَهُ كَلِمَةً يُرْجَعُونَ
(۲) علامہ قاضی محمد شمس الدین حنفی تفسیر منظر ہی میں اس آیت کریمہ
کے تحت فرماتے ہیں۔
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت

(پہ ۱۳۵ ص ۴۲، آیت ۲۴، ۲۵)

اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود عقیدہ توحید پر ایمان رکھتے تھے بلکہ آپ اپنی اولاد والی نسل کو بھی تاکید کی کہ اس راہ حق سے جھٹک نہ جانا اپنا رشتہ بعبودیت اپنے رب کریم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مستحکم اور نچتر رکھنا۔

چنانچہ عافو عماد الدین ابن کثیر اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قریشی کفار اپنے نسب اور دین کے اعتبار سے چونکہ خلیل خدا ام المومنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سنت ابراہیمی ان کے سامنے رکھی کہ دیکھو جو اپنے بعد آنے والے تمام نبیوں کے باپ، اللہ تعالیٰ کے رسول، امام المومنین تھے انہوں نے کھلے لفظوں میں نہ صرف اپنی قوم سے بلکہ اپنے (مجازی) باپ (یعنی چچا) سے بھی کہہ دیا کہ مجھ میں اور تم میں کوئی تعلق نہیں، میں سوائے اپنے سچے خدا تعالیٰ کے جو میرا خالق اور میرا بادی ہے، تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں اور سب سے بے تعلق ہوں، اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی اس جرأت، جہت کوئی اور جذبہ توحید کا بدلہ نہ دیا کہ کلمہ توحید کو انہی اولاد میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھا اور یہ بات ناممکن ہے کہ آپ کی اولاد میں اس پاک کلمہ کے تھامنے والے نہ ہوں بلکہ انہی کی اولاد اس کلمہ توحید کے اشاعت کرے گی اور سعادت مند روحیں اور نیک بخت لوگ اسی گھرانے سے توحید خدا تعالیٰ اور دین حنیف یکھیں گے نرضیکہ اسلام اور توحید کا معلم یہی گھرانہ قرار پایا گیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد پنجم)

(۲) علامہ قاضی محمد شمس الدین حنفی تفسیر منظر ہی میں اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں۔
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت

قَالَ قَتَادَةُ لَا يَذَلُّ فِي ذَرِيَّتِهِ

مَنْ يُعْبِدِ اللَّهَ وَحْدَهُ
وَقَالَ الْقَاطِبِيُّ جَعَلَ
اللَّهُ تَعَالَى قَصِيَّةً
أَبْرَاهِيمَ بِأَقْبِيَّةٍ فِي
نَسْلِهِ وَحَدِيثِهِ

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ کچھ لوگ ایسے رہیں گے جو صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں گے۔ علامہ قرطبی نے تفسیر قرطبی میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسلام پر ثابت قدم رہنے کی وصیت کو آپ کی نسل اور اولاد میں باقی رکھا۔

(تفسیر مظہری جلد دوم، شتم صفحہ ۲۴)

(۳) علامہ صوفی علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی تفسیر خازن میں اسی آیت مبارکہ کی تفسیر فرماتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ توحید جس کے ساتھ آپ نے لوگوں سے گفتگو فرمائی وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے جسے آپ نے اپنی اولاد میں باقی رکھا لہذا آپ کی اولاد میں سے کچھ لوگ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتے رہیں گے اور لوگوں کو بھی توحید الہی کی دعوت دیتے رہیں گے۔

(تفسیر خازن، مارک تیزیل ج ۴، صفحہ ۱۱۱)

(۴) علامہ امام محمد فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جَعَلَ اللَّهُ ذُرِّيَّتَهُ وَمَنْدُوبَهُ
يَأْتِيَةٌ فِي عَقْبِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ
(تفسیر کبیر ج ۷، صفحہ ۲۲۲-۲۲۳)

پھر امام رازی نے وہی تفسیر کی ہے جو علامہ خازن نے تفسیر خازن میں کی ہے جسے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔

(۵) علامہ امام جلال الدین سیوطی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(الف) علامہ عبد بن حمید اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیت کریمہ وجعلنا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بِأَقْبِيَّةٍ فِي عَقْبِهِ أَبْرَاهِيمَ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اپنے والی نسل میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو باقی رکھا

(ج) علامہ عبد بن حمید، علامہ ابن جریر اور علامہ ابن منذر نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد کلمہ طیبہ یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔

(ج) علامہ عبد بن حمید کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت دیلمی نے حدیث بیان کی ہے اور انہوں نے حضرت شیبان سے اور حضرت شیبان نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کے تحت حدیث بیان کی ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلمہ باقیہ سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور توحید کی گواہی دینی مراد ہے اس کلمہ کے کہنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں ہمیشہ موجود رہے۔

(د) علامہ امام عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ اخلاص اور توحید ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتے رہیں گے اور اسی کی عبادت کرتے رہیں گے۔ اسی روایت کو علامہ ابن منذر نقل کر کے کہتے ہیں کہ علامہ ابن جریر نے آیت کریمہ عقبہ ابراہیم میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد کلمہ توحید کہنے والے ہمیشہ موجود رہیں گے۔ نیز فرمایا کہ ایک قول یہ ہے کہ نسل ابراہیم میں کچھ لوگ ہمیشہ فطرت اسلام پر رہیں گے جو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

(هـ) علامہ عبد بن حمید نے امام زہری سے اس آیت کریمہ کے تحت نقل

کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا عقب سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل کے مرد و زن اور انکی اولاد سے مراد ہیں اور حضرت عطا سے روایت ہے آپ نے فرمایا عقب سے مراد آپ کی اولاد اور نسل کے لوگ ہیں

(۲) وَكَوْنِي بِهَذَا اَبْرَاهِيْمَ
بَيْنَهُ وَبِيعْقُوبَ يَدِي اِيْنِ اللّٰهِ
اَعْلٰنِي لَكُمْ اَلَّذِيْنَ فَدَّكَوْنِيْنَ اِلَّا
وَاللّٰهُ سَلُوْا ذٰلِكَ اٰيٰتِ ۱۲۲

اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو، اور یعقوب نے کہا کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے یہ دین تمہارے لئے چن لیا ہے پس نہ مرنے نہ مسلمان اس آیت کریمہ کے تحت علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں غور کرو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اسلام کی کس قدر عظمت و عزت تھی کہ خود بھی اس پر زندگی بھر عمل کرتے رہے اور اپنی اولاد کو بھی اس کی وصیت کی جیسے قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ہے۔

وَجَعَلْنَا كَذٰلِكَ بَآيٰتِهٖ فِىْ عَقِبِهٖ
بعض بزرگان دین نے وَبِيعْقُوبَ لَدُنِّيْ بَاپَرِزِبْر پڑھا ہے تو اس صورت میں بَيْنَهُ پر عطف ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد میں سے حضرت یعقوب کو جو اس وقت موجود تھے دین اسلام پر استقامت کی وصیت فرمائی۔

علامہ قشیری فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے لیکن محض دعوائے ہے جس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے کیونکہ قرآن پاک کی آیت میں ہے۔

فَبَشِّرْهُ بِاِسْحٰقَ وَهٰذَا
وَاٰدَمُ اِسْحٰقَ وَبِيعْقُوبَ

یعنی ہم نے انہیں اسحق کی اور اسحاق کے چھپے یعقوب کی خوشخبری دی۔

لہذا اگر حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں نہ ہوں تو پھر ان کا نام لینے میں کوئی زبردست فائدہ باقی نہیں رہتا چنانچہ سورہ عنکبوت پارہ ۲۰، آیت ۲۷ میں بھی ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحق اور یعقوب عطا فرمایا اور اس کی اولاد میں ہم نے نبوت و کتاب لکھی ایک اور آیت میں ہے کہ ہم نے اسے اسحق عطا فرمایا اور یعقوب یوسف عطا فرمایا (پارہ ۱، ص ۲۱، آیت ۷۲)

یاد رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی وصیت فرمائی تھی جیسا کہ اہل آیت میں آ رہا ہے وصیت اس بات کی کہ تم زندگی بھر جیشہ کے لئے دین اسلام پر قائم رہو اور نیکی و پاکدامنی پر ثابت قدم رہو تاکہ موت بھی اسی پر آئے کیونکہ عموماً انسان زندگی میں جس حال میں ہوتا ہے موت بھی اسی حال پر آتی ہے اور جس حال پر مرنے سے اس وقت کے دن بھی اسی حال پر لکھے گا۔

(تفسیر ابن کثیر، جلد اول ص ۱۹)
(۳) وَادْعَا اِلٰہَا هِيْمَ رَبِّ
اَنْجَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اَسْنًا وَاجْنِبْنِيْ
وَاٰدَمُ اِنْ لَعَبْدُ الضَّالِّمٰہِ
دپ ۱۱، ص ۱۳، آیت ۳۵

اور یاد کرو جب ابراہیم نے عرض کی اے میرے رب اس شہر (مکہ مکرمہ) کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔

(الف) علامہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ کے تحت حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ان کے بیٹوں کے حق میں قبول فرمائی اور آپ کے فرزندوں میں سے کسی نے اس دعا کے بعد بت پرستی نہیں کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دوسری دعا بھی قبول فرمائی اور اس شہر مکہ مکرمہ کو امن والا شہر قرار دیا اور آپ کے اہل کو رزق عطا فرمایا آپ کو امام بنایا

اور آپ کی نسل سے ایسے لوگ بھی پیدا فرمائے جو نماز کو قائم کرنے والے تھے
(ب) امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت وہب بن منیر رضی اللہ عنہ
سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو
پریشان ہو گئے پھر بیت الحرام کے قصہ میں ایک طویل حدیث ذکر کی ہے
جس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فرمایا کہ میں ان کے لئے ایک ایسی امت پیدا
کروں گا جو میرے حکم کی فرمانبرداری کرے اور دوسرے لوگوں کو میری راہ ہمت
کی طرف بلائے گی اور میں ان تمام لوگوں میں سے اسے منتخب کروں گا۔
یہی راہ کی طرف اس کی راہنمائی کروں گا اور میں انکی دعا بعد میں آنے
والی اولاد اور نسل کے بارے میں قبول کروں گا اور ان کے حق میں ان کی
شفاعت قبول کروں گا اور ان کو خانہ کعبہ کے پاس بساؤں گا اور انہیں
ان کا متولی اور حامی و مددگار بناؤں گا اور یہ روایت حضرت مجاہد کے تشریح
میں ذکر کئے گئے قول کے موافق ہے اور اس میں شک نہیں کہ خانہ کعبہ کی
تولیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دیگر اولاد کے برعکس حضور نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کرام کے لیے خصوصیت کے ساتھ مشہور و
معروف ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد کے ساتھ۔

یہاں تک کہ عمرو بن خزاعی نے یہ تولیت ان سے چھین لی پھر بعد میں
واپس آگئی لہذا اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
اولاد کے بارے میں جو کچھ فضیلت ذکر کی گئی ہے اس کے سب سے زیادہ
مستحق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام
لوگوں سے منتخب فرمایا اور انہیں میں یکے بعد دیگرے اور نبوت متقل ہوتا
رہا لہذا اللہ تعالیٰ کے فرمان
رَبِّ اجْعَلْ نَبِيِّنَا قَائِمًا
لے اللہ مجھے اور میری کچھ اولاد کو نماز

مِنْ ذُرِّيَّتِي

قائم کرنے والا رکھ

میں اولاد سے حضور کے آباؤ اجداد کو لینا سب سے بہتر ہے وہی
اس بات کے زیادہ مستحق ہیں

ج، علامہ ابن ابی حاتم نے حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ سے
روایت کی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام
کی اولاد میں سے کسی نے بیت کی پوجا کی ہے آپ نے جواب میں فرمایا کہ
نہیں پھر فرمایا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ
وَاَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُم مِّمْلًا
اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے
پوچھنے سے بچا۔

کسی نے سوال کیا کہ اس آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد
اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد کیوں داخل نہیں رہے؟ آپ نے
جواب میں فرمایا اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر مکہ میں
رہنے والوں کے لئے دعا مانگی تھی کہ وہ بتوں کو نہ پوجیں اور اس شہر میں
آپ کی تمام اولاد نہیں رہتی تھی بلکہ اس شہر مکہ معظمہ میں خاصی اولاد حضرت
اسماعیل علیہ السلام رہا کس پذیر تھے نیز آپ نے پہلے یہ دعا کی تھی۔
رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا
اے اللہ اس شہر کو امن والا بنا دے۔

اس دعا سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام شہروں
کے لئے دعا نہیں مانگی تھی بلکہ صرف مخصوص مکہ مکرمہ کے لئے مانگی تھی پھر
اس دعا کے بعد عرض کیا۔

رَبِّ اجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُم مِّمْلًا
اے ہمارے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک
داوی میں بسائی ہے جس میں کھیتی نہیں کرتی
تیرے حرمت والے گھر کے پاس اے
ہمارے رب اس لئے کہ وہ نماز قائم کریں۔
(پ ۱۳، س ۱۳، آیت ۳۷)

لہذا اب حضرت سفیان عیینہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں غور کریں کیونکہ آپ اکرم مجتہدین میں سے ہیں اور ہمارے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نسخہ میں (۴) **فَلَنْ يَخْلُقَ بَيْنَهُمُ الصَّلَاةَ وَبَيْنَ ذَوِيهِ** (۱) **الْحَبِيبِ** (۲) **مَنْ أَلَيْتَ ۚ** (۳) **فَمَا قَامَ كَرْنُهُ وَالْأَرْكَه**

(الف) علامہ ابن منذر نے حضرت جبریل رضی اللہ عنہ سے اس کے مذکورہ بالا ارشاد و خداوندی کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

فَلَنْ يَخْلُقَ بَيْنَهُمُ الصَّلَاةَ وَبَيْنَ ذَوِيهِ
نَاسٌ عَلَى الْفُطْرَةِ كَعِبَادَةِ اللَّهِ
(الحاشیہ صفحہ ۱۸۷، ح ۱۸۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کچھ اولاد ہمیشہ فطرت اسلام پر قائم رہی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی رہی۔

(ج) حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت مذکورہ بالا کے بارے میں روایت کی ہے کہ

لَا يَخْلُقُ بَيْنَهُمْ الصَّلَاةَ وَبَيْنَ ذَوِيهِ
عَلَى الْفُطْرَةِ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ
(مسند ابی نعیم، جلد ۱، ص ۱۸۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کچھ اولاد ہمیشہ قیامت تک فطرت اسلام پر قائم رہے گی۔

محبوب خدا کے اجداد کرام کا ذکر خیر

خیال میں رہے کہ مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد یعنی بنو اسمعیل میں ہمیشہ کچھ لوگ دین فطرت اور کلمہ توحید پر قائم رہیں گے اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نسب بابرک بنو اسمعیل سے ملتا ہے لہذا آپ کے تمام آباؤ اجداد بھی کلمہ توحید پر قائم رہے تھے کیونکہ حضور کا فرمان ہے کہ میرے تمام آباؤ اجداد پاک اور دوسرے لوگوں سے بہتر ہیں اور یہ تب ہو سکتا ہے کہ جب وہ شک و فہم کے زمانہ میں بھی توحید پر قائم رہے ہوں لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس زمانہ

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد اہم سات موحد مومن تھے اور چونکہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ارشاد مطابق حضور رحمت عالم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا نسب ایک بیان فرماتے تو حضرت معد بن عدنان سے آگے نہ بڑھتے اور فرماتے حسب بیان کرنے والوں نے حضرت معد بن عدنان سے آگے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں غلطیاں ہیں اور یہ دو یا تین بار فرماتے لہذا ہم یہاں حضرت عدنان سے حضور کے والدین کریمین تک حضرات اجداد کرام کا ذکر خیر کریں گے (۱) علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب نے اپنی کتاب "تاریخ ابن حبیب" میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت عدنان، حضرت معد، حضرت ربیعہ، حضرت مضر، حضرت خزیمہ اور حضرت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب ملت ابراہیمی پر تھے۔

فَلَا تَذْكُرْهُمْ إِلَّا بَحْثِمْ لَهْدَانِ كَاذِبٌ هَيْشَةَ خَيْرِ كَيْ سَاهِدُ كَا
حضرت عدنان کے نام رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جن و النس یعنی اہل کتاب، آپ کی تاک میں رہتے تھے تاکہ آپ کو ختم کر دیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس صالح اور نیک جوان کی نسل سے ایک ایسی مقدس اور پاک مہستی پیدا ہوگی جو صرف انسانوں اور جنوں کی نہیں بلکہ تمام مخلوق کی سرور ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں جنوں کے شر سے محفوظ رکھا ایک مرتبہ عدنان تنہا گھوڑے پر سوار جا رہے تھے کہ فارس کے راستے میں اسی جواڑوں نے ان کا پیچھا کیا اور دو پہاڑوں کے درمیان گھیر لیا عدنان ان سواروں کا تنہا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ خود بھی زخمی ہوئے اور گھوڑا بھی زخمی ہو گیا، لہذا گھوڑے سے اتر کر پہاڑ کی طرف بھاگے دشمنوں نے تعاقب کیا، حضرت عدنان نے یلوس ہو کر اپنے

بلحا وادی پروردگار عالم خالق کائنات اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تو
اسی آن پہاڑ سے ایک ہاتھ برآمد ہوا اور انہیں اٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا
دیا اس کے بعد ایک چٹخ سنائی دی جس سے تمام دشمن ہلاک ہو گئے
اور یہ واقعہ ہجرات سے متعلق ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش
سے پہلے ظاہر ہوئے۔

(معارج النبوت رکن اول)

(۲) حضرت معد بن عدنان کے نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ معد تازہ
پھل کے لئے استعمال ہوتا ہے چونکہ حضرت معد کا چہرہ مبارک ہر وقت
تر و تازہ دکھائی دیتا تھا اور آپ اپنے دور کے حسین ترین لوگوں میں سے
تھے چنانچہ آپ کے جن و جمال کو دیکھنے والا تعجب اور حیرت میں رہ جاتا
تھا۔ نیز بعض لوگوں نے آپ کو معد کہنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ آپ یہود
یعنی بنی اسرائیل سے مصروف جہاد رہتے اور ان سے مقابلوں میں کامیاب
اور کامران ہوتے اور بہت زیادہ مال غنیمت لے کر آتے اسی وجہ سے
آپ کو معد (یعنی جہاد کے لئے تیار رہنے والے) کہا جاتا تھا۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ضحاک ابن معد چالیس افراد کے ساتھ
بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے جنگجو لشکر سے لڑے اور ان کو
مقابلے سے مجبور کیا اور ان کا مال و زر لوٹ لیا اور شکست خوردہ لوگوں
کو قید کر لیا بنی اسرائیل اپنے وقت کے نبی کے پاس گئے اور ان سے
شکایت کی اور بہت روئے کہ آپ معد اور ان کی نسل کے لئے بددعا کریں
تاکہ اس لڑائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے۔ اس
زمانے کے نبی نے بددعا کرنے کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ
اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ
وسلم انہیں کی نسل سے ہوں گے لہذا ان کے لئے بددعا نہ فرمائیں۔

(معارج النبوت رکن اول)

علامہ ابو جعفر محمد بن احمد طبری وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کریم
نے حضرت ارمیہاہ پیغمبر خدا علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ تم سخت نصرت
کے پاس چلے جاؤ اور اسے جا کر بتاؤ کہ میں نے تجھے نرب پر علیہ عطار
یا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیہاہ علیہ السلام کو حکم دیا کہ حضرت
معد بن عدنان کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں تاکہ
انہیں (بوقت حملہ) کوئی نقصان نہ پہنچے۔

فَاتَى مُسْتَحْدِرٍ بَيْنَ
سَيِّدِهِ مُبْعَا كَرِيمًا
الْحَقُّ بِهِ التَّسْلِيلُ
کیونکہ میں بلاشبہ ان کی پشت مبارک سے
ایک مہربان پیغمبر مہیا کر دوں گا جس پر
میں تمام رسولوں کی رسالت ختم کر دوں گا
چنانچہ حضرت ارمیہاہ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور حضرت معد کو
سرزمین شام لے گئے اور بنی اسرائیل کے ساتھ رکھا پھر فتنوں کے ختم
ہوجانے کے بعد واپس سرزمین حجاز میں لوٹ آئے۔

(الماوٰی ملفا وادی جلد دوم ص ۲۱۴)

آپ کی اولاد انیس افراد پر مشتمل تھی مگر نعمت باطنی یعنی نور محمدی
صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت نزار بن معد سرفراز ہوئے۔

(۳) حضرت نزار بن معد بن عدنان جب پیدا ہوئے تو آپ کے والد
حضرت معد بن عدنان نے حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ
وسلم کا نور مبارک آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان چمکتا ہوا دیکھا اور
ات ہی زیادہ خوش ہوئے اور اس خوشی میں اپنے دوست و احباب
کی دعوت کی اور ایک ہزار اونٹ بارگاہ الہی میں بطور شکرانہ قربان
کئے اہل قبیلہ نے فضول خرچی کا طعنہ دیا اور کہا کہ تم نے بہت زیادہ خرچ
کر دیا ہے۔ حضرت معد بن عدنان نے ان کو کھانا کھلانے کے بعد جواب
دیا کہ فرمایا میں تو اس کو بھی کم ہی سمجھتا ہوں لہذا میں نے اس بچے کی

پیدائش کی خوشی میں جو کچھ کیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اسی وجہ سے
کانام نزار و قلیل رکھا گیا۔

(دوقافی علی السواحب، انوار المحمدیہ، مدارج النبوت جلد ۱، معارج النبوت)
حضرت فضیلت تائب الشیخ علامہ محمد رضا مصری لکھتے ہیں کہ
آپ اپنے دور میں حسن و جمال اور عقل و دانش میں سمجھوروں پر فخر
رکھتے تھے (محمد رسول اللہ ص ۱۸)

اور آپ کی زوجہ کانام سووہ بنت عکب بن الریش بن عدنان تھا اور
یہ عکب بن ریش وہی ہیں جنہوں نے یمن میں سلطنت قائم کی تھی۔
(۴) علامہ ابن سعد نے "الطبقات" میں حضرت عبداللہ بن خالد کی
ایک مثل روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ
وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تُسَبِّحُوا مَصْرُفًا فَانَّهُ كَانَ قَدْ اسْتَمَّ | مَصْرُفًا كَمَا كُنْتُمْ
علامہ سیوطی نے المروض الانف میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

لَا تُسَبِّحُوا مَصْرُفًا فَانَّهُ كَانَ قَدْ اسْتَمَّ | مَصْرُفًا كَمَا كُنْتُمْ
وہ مَصْرُفًا کہو اور نہ رُجِعَ کہو کیونکہ وہ
دولتوں یقیناً مومن تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اسی روایت کو نقل کر کے
فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارکہ مستند اور قابل اعتقاد ہے کیونکہ میں اس
کے تمام طرق سے واقف ہوں چنانچہ انہوں نے مذکورہ بالا حدیث مبارکہ
کی تائید میں پوری سند کے ساتھ حدیث نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ علامہ
ابوبکر محمد بن خلف بن حبان عرف علامہ وکیع نے "الفر من الانبیاء" میں
اس حدیث مبارکہ کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں اسحق بن داؤد
بن عیسیٰ مزوری نے ابویعقوب شعرائی سے یہ حدیث بیان کی اور انہوں

نے ہم سے سلیمان بن عبدالرحمن دمشقی نے بیان کی اور ان سے عثمان بن محمد
سعد ابن ابی وقاص سے لی ہے اور انہوں نے کہا ہم سے حضرت عبدالرحمن
بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور سید عالم نور محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تُسَبِّحُوا مَصْرُفًا فَانَّهُ كَانَ قَدْ اسْتَمَّ | مَصْرُفًا كَمَا كُنْتُمْ
رُجِعَ کہو برا نہ کہو اور نہ مَصْرُفًا کہو کیونکہ وہ
دولتوں یقیناً مسلمان تھے۔

حضرت مَصْرُف کی خوبیوں میں سے اہم ترین خوبی یہ تھی کہ انہیں انتہائی
درجے کی دین پسندی تھی وہ شریعت ابراہیمی کی نشر و اشاعت اور اس
کی ترویج میں انتہائی کوشش کرتے تھے۔ (معارج النبوت)

حضرت مَصْرُف حسن و جمال میں بے مثال تھے جو انہیں دیکھنا وہ اللہ کا
گردیدہ ہو جاتا ان کے چمکانہ اقوال سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ سب سے بہترین کی وہ ہے جس پر جلد ہی عمل ہو۔

۲۔ خود کو مصائب کے مقابلہ کے لئے آمادہ رکھو۔

۳۔ نفس کو ایسی خواہشات سے باز رکھو جن میں فساد کا اندیشہ ہو کیونکہ
اصلاح و فساد کے درمیان خیر ہی کا تقوڑا سا فاصلہ ہے۔

۴۔ حضرت مَصْرُف نے سب سے پہلے اونٹوں کے لئے حدی خوانی
داؤنٹوں کو گا کر چلانا، کا آغاز کیا کیونکہ آپ بہت خوش الحان تھے۔

(محمد رسول اللہ)

(۵) علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ سیوطی
نقل کرتے ہیں کہ حضور سید عالم رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت
ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَا تُسَبِّحُوا إِلَّا مَنًى فَانَّهُ كَانَ مَوْمِنًا | حضرت ایاس کو برا نہ کہو کیونکہ وہ مومن تھے
نیز روایت میں مذکور ہے کہ

انہ کا بیسہ فی حبیبہ
قلیۃ الذی صلی اللہ علیہ
وسلم بالج
(الحی بنقادی جلد ۲ ص ۷۷)

بے شک آپ ج کرتے ہوئے اپنی پشت میں
میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
اللہ تعالیٰ کے اللہ میں حاضر ہوں) کہنا
سکتے تھے۔

چنانچہ حضرت شیخ علامہ محمد عبدالحی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
کہ سب سے پہلے قربانی کے اونٹ بیت اللہ شریف آپ ہی نے بھیجے تھے
(مدارج النبوت)

اہل عرب آپ کی بہت تعظیم کرتے تھے اور سید العرب کہہ کر ملتے
اور آپ اپنی قوم میں سب سے زیادہ خوبصورت، سخی، قابل احترام اور بزرگ
سمجھے جاتے تھے اور اپنی قوم میں حضرت لقمان حکیم کی حیثیت کے حامل سمجھے
جاتے تھے۔ ان کے دانشور اقوال میں چند درج ذیل ہیں۔
• جو شخص نیکی کا بیج بوئے گا وہ خوشی و شادمانی کا پھل پائے گا۔
• جو شخص شر کا بیج بوئے گا تو وہ ندامت اور شرمندگی اور ناکامی
و حسرت کا پھل پائے گا
(محمد رسول اللہ)

آپ کے ان ارشادات سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ واقعی لقمان
حکیم کی حیثیت کے حامل تھے کیونکہ آپ نے اپنے ان دو ارشادات میں اس
حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ انسان ایک ذمہ دار مخلوق ہے جو اچھے یا بُرے
کام کرتا ہے اس کے لئے جو ایہ ہے بلکہ آپ نے قرآن حکیم کی دو واضح
ارشادات کی ترجمانی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ۔
فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ
وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ
پس جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے
دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی
ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔

حضرت مذبذکہ: ان کا نام عمرو اور لقب مذبذکہ ہے۔ لَا تَلَهُ آذَرَ كُلِّ
وَفَخْرٍ كَانَ فِي آبَائِهِ وَكَانَ فِيهِ نُورٌ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وسلم کیونکہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد (یعنی خاندان) کے تمام اعزازات اور تمام قابل فخر
ات کو حاصل کر لیا تھا اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مبارک روشن تھا
ت حلیہ جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۲۶ زرقانی جلد اول صفحہ ۷۸، مدارج النبوت جلد دوم صفحہ نمبر ۱۰
اول نسب کے بیان میں (فائدہ: اس عبارت سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت مذبذکہ اپنے
خاندان کے تمام عز و فخر کے حامل تھے اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایمان و توحید ہی
اہل اعزاز اور قابل فخر ہیں نہ کہ کفر و شرک۔ اسی طرح بدکاری و زنا کاری سے پاکدامن ہونے
کی ہی عزت و فخر ہے نہ کہ بدکاری کے ارتکاب میں۔ جس سے واضح ہو گیا کہ آپ اپنے
باؤ اجداد کی طرح مومن و موحد اور نیک سیرت و پاکدامن تھے۔ اسی لئے تو ان کی پیشانی
بارک میں نور مصطفیٰ چمکتا تھا کیونکہ حضور کا نور مبارک پاک پشتوں سے پاکوں کی طرف منتقل
ہوتا رہا ہے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں حضرت مذبذکہ کا اصل نام عمرو بن الیاس ہے والدہ کا نام بنت
الموان ہے۔ یہ یمن کے ایک قبیلہ کی ایک محترم خاتون تھیں اور ان کا لقب خندف تھا اور یہ اپنے
اوصاف حسنہ اور شائستگی حیدہ کی وجہ سے بڑی قدر و احترام سے دیکھی جاتی تھیں یہاں تک کہ ان
کی اولاد کو باپ کی بجائے ان ہی کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ آپ کے لقب مذبذکہ کی دوسری وجہ
یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ایک روز خرگوش چھلانگیں لگاتا ہوا اونٹوں کے پاس سے بھاگتا ہوا گزرا
جس سے اونٹ بد کے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرو نے دیکھا تو بڑی پھرتی کے ساتھ
اونٹوں کے پیچھے دوڑ لگا دی اور انہیں ہر طرف سے پکڑا اور اکٹھا کر کے سب کو ہانک لائے جس کی
وجہ سے ان کا لقب مذبذکہ مشہور ہو گیا یعنی اونٹوں کے پانے والے۔ حضرت شیخ محمد عبدالحی محدث
دہلوی نے تیسری وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت عمرو نے شکار کرنے کے لیے خرگوش کے پیچھے دوڑ لگا دی

اور اسے گھیر کر پکڑ لیا اس لیے آپ کا لقب مدرکہ مشہور ہو گیا یعنی شکار کو پانے والے۔ اس مصدر کتہ میں (عربی میں جو آخر میں آتا آتی ہے وہ) تانیث کی تائیں بلکہ مبالغہ کے لیے (جیسے علامہ میں ہے)

حضرت خزیمہ:

حضرت مدرکہ کے پانچ بیٹے تھے جن میں سب سے بڑے بیٹے حضرت خزیمہ تھے۔ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت مدرکہ سے مختل ہو کر اسی بڑی صاحبزادے حضرت خزیمہ کے سپرد ہوا چنانچہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں ہے (وَفِيهِ نُورُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک جلوہ گرفتار۔ علامہ ابن الجیب نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا (مَاتَ خَزِيمَةُ عَلَى مِلَّةِ آبَائِهِمْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) حضرت خزیمہ حضرت ابراہیم کے دین پر فوت ہوئے تھے یہی روایت علامہ زرقانی نے بھی بیان کی ہے (سبل الہدی والرشاد جلد اول صفحہ نمبر ۳۳۸۔ زرقانی علی المواہب جلد اول صفحہ نمبر ۷۸) امام جمال الدین سیوطی نے الحاوی للفتاویٰ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ جناب عدنان، جناب معد، جناب ربیعہ، جناب مضر، جناب خزیمہ اور جناب اسد سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم تھے (فَلَا تَذْكُرُوهُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ) سو تم ان کا تذکرہ خیر و بھلائی کے ساتھ کیا کرو (الحاوی للفتاویٰ جلد دوم نمبر ۲۱)۔

حضرت کنانہ بن خزیمہ:

مختصر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے آپ نے فرمایا ہے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنی کنانہ کو برگزیدہ بنایا اور بنی میں سے قریش کو برگزیدہ بنایا

قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا (مسلم، ترمذی، ابوداؤد) آپ کا نام نامی اسم گرامی کنانہ اور کنیت ابوالضر تھی کنانہ کا معنی ترکش ہے جس طرح ٹک تیروں کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے بھی اپنی ساری قوم کو اپنے جود و کرم سے دامن میں چھپا لیا تھا علامہ صبی لکھتے ہیں آپ کو اس نام سے اس لئے یاد کیا جاتا تھا کہ آپ اپنی قوم کے محافظ تھے اور بعض اہل علم نے کہا کہ آپ اپنی قوم کے رازوں کے نگہبان اور اپنی قوم کی اور پوشی کرنے والے تھے اور آپ بہت نیک سیرت بزرگ تھے اور نہایت معزز و محترم ہر دار تھے۔ اور تمام اہل عرب آپ کے علم و فضل کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ انہوں سے بیان فرماتے تھے کہ (قَدْ آتَى خُرُوجَ نَبِيٍّ مِنْ مَكَّةَ يُدْعَى أَحْمَدُ يَدْعُو إِلَى اللَّهِ وَالتَّوَّابِ وَالْأَحْسَانِ وَمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ فَاتَّبِعُوهُ) ہے ایک مختصر یہ مکہ مکرمہ سے ایک نبی اور ایک پیغمبر کا ظہور ہوگا جس کا نام نامی اسم گرامی احمد ہوگا وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دے گا اور نیکی اور بھلائی اور اچھے اخلاق اپنانے کی تلقین کرے گا سو تم ان کی اتباع اور پیروی کرو گے تو تم عزت و شرافت میں اضافہ پاؤ گے اور تم ان کی نکتہ یہ نہ کرنا کیونکہ وہ جو کچھ پیش کریں گے وہی حق ہوگا (سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ نمبر ۲۶ سبل الہدی والرشاد جلد اول صفحہ نمبر ۳۳۸)۔

ایک دن حضرت کنانہ حطیم کعبہ میں سو رہے تھے کہ آپ نے خواب دیکھا اور آپ سے فرمایا گیا کہ ان چار چیزوں میں سے ایک چیز منتخب کر لیں گھوڑے، اونٹ، فہرات اور داکی عزت و وقار۔ آپ نے عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے یہ تمام نعمتیں عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور تمام نعمتیں عطا فرمادیں۔ (سبل الہدی والرشاد جلد اول صفحہ نمبر ۳۳۸) حضرت کنانہ نے حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا اور یحییٰ علیہم السلام کی زیارت کا شرف و اعزاز حاصل کیا ہے چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت کنانہ کی عمر مبارک چند روزہ سال تھی ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین سے حجاز مقدس تشریف لائے جب حضرت کنانہ سے ملاقات

ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے حضرت کنانہ کو بشارت دی کہ تمہاری پشت میں آغرا اترے گا جس کی ساری ساری علیہ وسلم کا نور مبارک جلوہ گر ہے وہ تمہاری اولاد سے فرمائیں گے اور تمہارا نام ان کے آباؤ اجداد میں روشن رہے گا (الذکر الحسین فی سیرۃ النبی ص ۱۰۱ صفحہ نمبر ۱۷۰)۔

حضرت نضر بن کنانہ:

حضرت نضر کا اصل نام قیس تھا لیکن ان کی پیشانی میں نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روشن تھا جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ نورانی اور حسن و جمال کا کثیر معلوم ہوتا تھا اسی حسن و جمال کے سبب آپ کا لقب نضر مشہور ہو گیا کیونکہ نضر کا معنی خوبصورت اور حسین و جمیل نیز رفیق و رفیقہ ہے۔ ارشاد ہے: (وُجُوهُ يَوْمَئِذٍ ضَرَّةٌ ۝ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ) اس روز کچھ چہرے روشن ہو گئے اپنے رب کو دیکھتے ہو گئے (سورۃ القیامۃ آیت ۲۲، ۲۳)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا:

لَا تَسْبُوْا قِيْسًا فَاِنَّهُ كَانَ مُسْلِمًا۔ تم جناب قیس کو برا نہ کہو کیونکہ وہ مسلمان تھے (الحاوی للتحاوی جلد دوم صفحہ نمبر ۲۱۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لاہل پورہ فیصل آباد)۔

حضرت مالک بن نضر:

حضرت مالک بن نضر مکارم اخلاق، سخاوت و مہمان نوازی اور ذہانت و عقلمندی اور مفید مشوروں کے سبب لوگوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے آپ کے والد محترم حضرت نضر بن کنانہ اپنی زندگی میں لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے آپ سے مشورہ کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کو عرب کے قبائل میں ایک سربراہ کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی آپ کے ہر حکم کی بخوشی تعمیل کی جاتی تھی یہاں تک کہ آپ کو مَلِکُ الْعَرَب یعنی عرب کا بادشاہ کہا جاتا تھا چنانچہ علامہ زرقانی نے تاریخ غمیس کے حوالے سے لکھا ہے۔ قَالَ الْخَمِيسُ سَمِيَّ مَالِكًا

لَعَنَ كَنَانَ مَلِكُ الْعَرَب۔ تاریخ غمیس کے مصنف نے کہا کہ آپ کا نام مالک اس لیے رکھا گیا کہ آپ عرب کے بادشاہ تھے ۱۹ ذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین بحوالہ زرقانی جلد اول ص ۱۰۱ نمبر ۷۶)۔ حضرت مالک بن نضر اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ لیے آپ کے موصد تھے نیز آپ کے بارے میں شرک کے ثبوت میں کوئی مستند روایت نہیں ملتی بلکہ امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

لَحْصَلٌ مِّمَّا أُوْرِدْنَاهُ أَنَّ أَبَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هَيْدِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَى كَعْبِ بْنِ ثُوَيْيْ كَانُوا كُتْلُهُمْ عَلَى دِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ۔ (سہم نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں کعبہ کو حید لایا اِلَّا اللّٰہُ باقی رہنے کے متعلق روایات اور روایات بیان کی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ مبارک سے لے کر حضرت کعب بن ثوی تک مشورہ نبی اکرم رسول عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کو کرام سب کے سب دین ابراہیمی پر قائم تھے (الحاوی للتحاوی جلد دوم صفحہ نمبر ۲۱۸) جن میں جناب کعب، جناب ابوی، جناب غالب، جناب فہر، جناب مالک، جناب نضر، جناب کنانہ، جناب خزیمہ، جناب بدرکہ، جناب الیاس، جناب مضر، جناب نزار، جناب معد، جناب عدنان شامل ہیں چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عدنان تک اپنا سلسلہ نسب بیان کر کے فرمایا کہ آگے نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے اس لیے اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

جناب فہر بن مالک:

آپ کا نام فہر اور کنیت ابو غائب اور لقب قریش تھا چنانچہ علامہ شیخ محمد رضا مصری لکھتے ہیں کہ قریشی نسب کی انتہا انہیں پر ہوئی ہے ان سے اوپر جو ہیں وہ قریشی نہیں بلکہ کنانی کہلاتے ہیں (بعض کے نزدیک) ان کا نام قریش تھا یہ بہت کریم النفس انسان تھے ضرورت مندوں کی خبر

گیری کرتے اور اپنے مال میں سے ان کی حاجت روائی کرتے تھے اور نبی جناب فہر چھٹی بار میں حضرت ابوجہید بن جراح کے جد اعلیٰ تھے (محمد رسول اللہ ص ۱۵) آپ اپنے زمانہ میں اہل مکہ اور مدینہ کے قبائل کے سردار تھے چنانچہ حسان بن عبد الکلال حمیری حاکم یمن میں قبائل کا لشکر جبرائے کر مکہ عمرہ پر حملہ آور ہوا اس کا مقصد یہ تھا کہ کعبہ شریف کو گرا کر اس پتھروں کو یمن بچا کر وہاں انہی پتھروں سے کعبہ تعمیر کرے اور لوگوں کو حکم دے کہ وہ حج کرنے کے لیے جائے مکہ میں جانے کے یمن میں آئیں اور اس کے تعمیر کردہ کعبہ کے ارد گرد خوف کریں اور دیکر مناسک حج ادا کریں لیکن جب قریش کو معلوم ہوا تو جناب فہر نے اپنے بھائیوں اور عزیزوں اور دیگر قبائل کو جمع کیا اور اس سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے ان کی قیادت میں بڑی سخت کھسان کی جنگ لڑی گئی جس میں حسان حمیری کو شکست ہوئی اور بنی فہر کو شامہ و کامیابی اور فتح نصیب ہوئی (کامل ابن اثیر جلد دوم صفحہ نمبر ۱۲ سیرت رسول عربی ص ۲۸)۔

جناب غالب بن فہر:

ان کا نام غالب اور کنیت ابوتیم ہے کیونکہ ان کے ایک بیٹے کا نام لوی تھا اور دوسرے بیٹے کا نام تیم تھا۔ بنو تیم قبیلہ کے جد اعلیٰ بنی تیم بن غالب تھے آپ اسم بامسمیٰ تھے کہ عقل و دانش مندی، شجاعت و بہادری، قوت فیصلہ اور صائب الرائے ہونے میں اپنے تمام قبیلہ پر غالب تھے آپ سب سے بڑے دانا اور عقلمند شمار کیے جاتے تھے۔ علاقہ بھر کے لوگ بڑے اہم ترین معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حال آپ ہی تھے۔

جناب لوی بن غالب:

ان کا نام لوی تھا اور کنیت ابوکعب تھی یہ نہایت حلیم الطبع اور بردبار انسان تھے نیز بڑے صاحب حکمت اور دانا تھے اور بچپن سے حکیمانہ کلام کرتے تھے چنانچہ آپ کے بارے میں لکھا ہے

ان لوی خلیفہ حکیمًا نطق بالحکمہ صفیرا) جناب لوی بڑے موصوفہ اور بہت دانا انسان تھے بچپن میں حکیمانہ کلام کرتے تھے اور چونکہ آپ دین ابراہیمی پر تھے اس لیے شرک سے بیزار تھے جیسا کہ جناب مالک بن نضر کے بیان میں امام سیوطی کا مژدہ چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر جناب کعب بن مرہ تک حضور علیہ السلام کا نام آباؤ اجداد دین ابراہیمی پر قائم تھے۔

حضرت کعب بن لوی:

حضرت کعب بن لوی پہلے شخص ہیں جو کہ جمعہ کے دن قریش کو جمع کر کے انہیں وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس دن کا نام جمعہ رکھا تھا ورنہ اس سے عرب کے لوگ اس کو یوم المعزہ یعنی عروہ کا دن کہا کرتے تھے چنانچہ جمعہ المبارک کے دن میں ان کے پاس جمع ہوتے تھے اور آپ انہیں خطبہ دیتے تھے جس میں انہیں وعظ و نصیحت تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت و آمد کی خوشخبری سناتے تھے اور انہیں آگاہ کرتے تھے کہ حضرت محمد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری اولاد میں سے ہو گئے اور حضرت کعب بن لوی کو حضور کی اتباع کرنے اور ان پر ایمان لانے کی تلقین کرتے تھے اور ان کے سامنے حضور کی شان میں چند اشعار سنایا کرتے تھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

لَيْتَنِي شَاهِدًا فَخَوًّا دَعْوَتُهُ إِذَا قُرِئَتْ تَبْغِي الْحَقَّ خَذْلَانَا

اے میں ان کی دعوت کے وقت موجود ہوتا جب قریش حق کو رسوا کر اچا ہیں گے امام السہلی نے لکھا کہ یہ روایت علامہ الماوردی نے حضرت کعب سے اپنی کتاب الاعلام میں نقل کی ہے میں کہتا ہوں کہ امام ابو نعیم نے اپنی سند کے ساتھ ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف سے دلائل النبوة میں یہ روایت بیان کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ حضرت کعب بن لوی اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان پانچ سو ساٹھ سالوں کا فاصلہ ہے (الحاوی للفتاویٰ جلد دوم صفحہ نمبر ۲۱۸)

نیز حضرت کعب بن لؤی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آٹھویں پشت میں جہاد میں ہیں۔ (محمد رسول اللہ ص ۱۵)۔

حضرت عمرؓ بن کعب:

جناب عمرؓ بن کعب حضور اکرم رسول معظم شیخ الامم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھٹی پشت میں جہاد اعلیٰ ہیں اور اوپر کی پشتوں میں حضرت امام مالک کا سلسلہ نسب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جناب عمرؓ بن کعب پر جا کر مل جاتا ہے (محمد رسول اللہ ص ۱۵)۔

جناب کلاب بن مرہ:

جناب کلاب بن مرہ کا نام حکیم ہے اور بعض نے کہا کہ ان کا نام عروہ ہے (اور کنیت ابو زہرہ ہے) ان کے کلاب کے لقب سے مشہور و معروف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شکاری کتوں کے ساتھ بہت زیادہ شکار کیا کرتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد محترم حضرت عبداللہ اور آپ کی والدہ جده حضرت آمنہ کا نسب انہی پر جا کر مل جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جناب کلاب وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے عربی مہینوں کے موجودہ نام رکھے تھے جو آج تک رائج چلے آ رہے ہیں (محمد رسول اللہ ص ۱۴) کلاب نام کی دوسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اہل عرب اپنے بیٹوں کے نام درندوں کے ناموں پر کلاب، اسد، فهد، ذئب وغیرہ ہم اسم لئے رکھتے تھے کہ وہ اپنے دشمنوں کے لیے شیروں، چیتوں اور بھیریوں کی طرح بہادر و جنگجو ثابت ہوں (ذرقانی علی المواصب جلد اول صفحہ نمبر ۷)۔

جناب قُصیٰ بن کلاب:

جناب قُصیٰ بن کلاب جمعہ کے دن اپنی قوم کو جمع کرتے تھے اور ان کو وعظ و نصیحت کرتے تھے اور ان کو حرم شریف کے احترام کی تلقین کیا کرتے تھے اور انہیں یہ خوشخبری سنایا کرتے

تھے کہ تم میں (اللہ تعالیٰ کا آخر الزمان) نبی پیدا ہو گا جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ بنی فہر کے منتشر ہل کو مکہ مکرمہ میں جمع کرے گا ابن اسحاق نے اس واقعہ کو بڑا طویل کر کے بیان کیا ہے مختصر یہ ہے کہ جناب قُصیٰ بن کعب میں سے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عرب میں حکومت قائم کی اور پوری قوم نے آپ کی اطاعت قبول کر لی اور خانہ کعبہ کی گھرائی، حایہوں کے پانی کا بندوبست کرنا اور دارالندوہ میں محفل کا انتظام کرنا اور فتح و نصرت کے جھنڈوں کا مستحق آپ ہی کو قرار دیا گیا اور مکہ مکرمہ کی تمام شرافتیں اور عزتیں انہی میں جمع تھیں حضرت قُصیٰ نہایت حسین و جمیل اور خوبصورت مراد تھے اور قریش کے بہت بڑے عالم اور حق کے زبردست محافظ تھے (ذرقانی علی المواصب جلد اول صفحہ نمبر ۳۷) جناب قُصیٰ بن کلاب تقریباً ۴۰ برس میں پیدا ہوئے ان کا اصل نام زید ہے اور ان کے لقب قُصیٰ کے مشہور ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ اپنے والد کی وفات کے بعد اپنی والدہ کے ساتھ اپنے عزیز واقارب اور اہل وطن سے دور چلے گئے تھے (قصص کا معنی دور رہنے والا ہے) کیونکہ ان کی والدہ نے ربیعہ بن حزام سے دوسری شادی کر لی تھی جو انہیں لیکر اپنے وطن ملک شام میں چلے گئے تھے نیز ان کو **مُجَمِّع** بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ قبائل قریش میں باہمی اختلاف برپا ہو گئے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ربیعہ اور ان کی کوششوں سے دور فرما کر سب کو متحد و متفق کر دیا تھا چنانچہ آپ نے بعض قبائل کو مکہ مکرمہ کی وادیوں میں آباد کیا اور بعض کو پہاڑی دڑوں اور بعض کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر آباد کیا اس طرح جناب قُصیٰ نے ان کی آبادیوں کو تقسیم کر دیا اس کارنامہ کی بنا پر ان کا نام **مُجَمِّع** (جمع کرنے والا) پڑ گیا درحقیقت یہ ایک بڑا کارنامہ تھا اور بہت فضیلت کی بات تھی جس کی تکمیل کسی بلند حوصلہ محترم اور معزز ہستی کے ہاتھوں ہی ہو سکتی تھی ان کے متعلق حدیث کا ایک شعر ہے:

أَبُو كَيْهِ قُصِيٌّ كَانَ يُدْعَى مُجَمِّعًا - بِهِ جَمَعَ اللَّهُ الْقَبَائِلَ مِنْ فَهْرٍ
تمہارے مورث اعلیٰ تمہارے باپ قُصیٰ ہیں جنہیں **مُجَمِّع** کہا جاتا ہے انہیں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے فہر کے قبائل کو متحد کر دیا۔

وہ قریش میں پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کعبہ معظمہ کو از سر نو تعمیر کیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بیت اللہ شریف کی کلید برداری و حجاج کرام کے لیے پانی کی فراہمی۔ ان میں انگریز کی تقسیم اور عام مہمانداری کے اہم فرائض ان ہی کے سپرد تھے وہ دارالشوری (کنکٹی گورنر) کے صدر بھی تھے تمام اہم معاملات کے لیے مشاورتی اجلاس میں ہوا کرتے تھے لوگوں کے کاروبار بھی یہی پڑھانے جاتے تھے جنگی اجتماعات بھی یہی ہوا کرتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ ان کا یہ مکان مرکز کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ وہ ان تمام مشکلات میں خواہ قومی نوعیت کی ہوتیں یا انفرادی پوری قوم کے بڑا دباؤ بنے ہوئے تھے۔ ۴۸۰ء میں اسی سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا ان کا کلام ان کے تجربے اور عقل مندی اور دین داری پر دلالت کرتا ہے جس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

- 1- جو شخص کسی بد بخت و شقی کا احترام کرتا ہے وہ اس کی شقاوت میں برابر کا شریک اور حصہ دار بن جاتا ہے۔
- 2- جو شخص کسی برائی کو پسند کرتا ہے وہ اس سے ضرور ہو کر رہتی ہے۔
- 3- جو شخص استحقاق سے زیادہ کا طالب ہوتا ہے وہ محرومی و نا کامی کا منہ دیکھتا ہے۔
- 4- جسے عزت راس نہیں آتی اسے ذلت حاصل ہوتی ہے۔
- 5- حاسد چھپا ہوا دشمن ہے۔

بہر حال اگر انسان اپنے کلام سے پرکھا جاتا ہے تو جناب قصص کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں رذائل اور برائیوں سے بہت نفرت تھی آپ بہت دلیر اور بہادر تھے اور حسد و غرور وغیرہ سے بہت متنفر تھے۔ (محمد رسول اللہ ص ۱۶۱ تا ۱۷۱)

جناب عبد مناف بن قصی:

ان کا نام مغیرہ تھا اور لقب عبد مناف تھا کیونکہ مناف انساب سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے بلند ہونا، نمایاں ہونا اور زیادہ ہونا۔ چونکہ عبد مناف اخلاق و سخاوت اور تقویٰ و پاکدامنی میں

بہ سے بلند اور ممتاز تھے اس لیے آپ کا لقب عبد مناف مشہور ہو گیا یعنی عظیم الشان بندہ اور ایف و پرہیزگار اور پاکدامن بندہ اور سیرت نبویہ میں ہے آپ کا نام مغیرہ و قحاص و جمال کی وجہ سے انہیں بلحا کا چاند کہا جاتا تھا ایک پتھر ملا جس پر ان کی تحریر کند تھی کہ میں مغیرہ بن قصی ہوں میں بیش کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور میں انہیں رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ وَكَانَ نُفُوزُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْطَىٰ فِي وَجْهِهِ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مبارک ان کے چہرے میں چمکتا تھا ان کے ہاتھ میں حضرت نزار کا جھنڈا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کمان ہوا کرتی تھی (سیرت نبویہ جلد اول صفحہ نمبر ۴۷) علامہ ذرقانی لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْوَاقِدِيُّ وَكَانَ فِيهِ نُفُوزُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور علامہ واقدی نے فرمایا، اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک تھا (ذرقانی جلد اول صفحہ نمبر ۷۷) نیز بلوغ العرب فی احوال العرب میں ہے کہ آپ کو حسن و جمال کی وجہ سے بلحا کا چاند کہا جاتا تھا اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں ایک پتھر ملا جس پر تحریر تھا کہ میں مغیرہ بن قصی ہوں میں قریش کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں (وَكَانَ يُبْفِضُ الْأَضْنَامَ وَكَانَ يَلُوحُ عَلَيْهِ نُفُوزُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اور آپ بتوں کو برا جانتے تھے اور ان سے نفرت کرتے تھے اور آپ کا چہرہ انور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک چمکتا تھا (بلوغ العرب فی احوال العرب جلد دوم صفحہ نمبر ۳۱۳ نیز سیرت رسول عربی نمبر ۳۰) علامہ شیخ محمد رضا مصری لکھتے ہیں کہ آپ کا نام مغیرہ تھا ان کو حسن و جمال کی وجہ سے بلحا کا چاند بھی کہا جاتا تھا ان کی سخاوت کی وجہ سے قریش میں فیاض کے نام سے موسوم تھے آپ چوتھی پشت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جدِ اعلیٰ تھے (محمد رسول اللہ ص ۱۷۱)۔

جناب ہاشم بن عبد مناف:

ان کا نام عمرو بن عبد مناف تھا ان کے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے انہیں عمرو ابغزا کہہ جاتا تھا یہ اپنے والد عبد مناف کے بعد اپنی قوم کے سردار بنے۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں شدید قحط پڑا جس کی وجہ سے قریش شدید فاقوں میں مبتلا ہو گئے اس حالت سے متاثر ہو کر ملک شام تشریف لے گئے اور وہاں سے آٹا اور کیک خرید کر یوں یوں بھر کر اونٹوں پر لاد کر لے آئے اور یہ سامان زمانہ حج تک مکہ مکرمہ میں لے آئے پھر روٹیاں تیار کر کے ان کے اور کیک کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اور بہت سے اونٹ راج کیے اور گوشت پکا کر ان کے شورب اور گوشت میں روٹیوں اور کیکوں کے ٹکڑے ملا کر خرید تیار کیا اور لوگوں کو بیٹ بھر کر کھانا کھلایا اسی مناسبت سے ان کا نام ہاشم (روٹیوں کا چورو چورو کرنے والا) مشہور ہو گیا انہیں ابو اطمی اور سید اطمی بھی کہا جاتا تھا اطمی وادی کے پانی کے بہاؤ کی جگہ کو کہا جاتا ہے جناب ہاشم کا دسترخوان تنگی و فراخی ہر حال میں وسیع اور عام رہتا تھا یہ دو تہند تھے اور لوگوں کی مدد کیا کرتے اور مصیبت زدہ لوگوں کو پناہ دیتے تھے وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قریش کے لئے تجارتی سفر کا طریقہ رائج کیا ایک موسم سرما میں اور دوسرا موسم گرما میں چنانچہ قریش موسم سرما میں یمن اور حبشہ کا سفر کرتے اور موسم گرما میں شام کا سفر کرتے تھے ان دونوں سفروں کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ قریش میں آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

لَا يَلَافُ قُرَيْشٌ الْفَهْمَ رَحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ • فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا
الْبَيْتِ • الَّذِي أَطْلَقَهُمْ مِنْ جُوعٍ • وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ • (سورۃ
قریش آیات ۵ تا ۸)

ترجمہ: چونکہ قریش سردی اور گرمی کے موسم میں تجارتی سفر کے عادی ہو گئے ہیں اس لیے انہیں اس بیت اللہ کے رب کی عبادت کرنی چاہئے جس نے انہیں بھوک میں کھلایا اور ہر قسم کے خوف سے نجات دی۔

جناب ہاشم تجارت کرتے ہوئے ملک شام میں غزوہ کے مقام پر ۵۱۰ھ میں وفات پا گئے (محمد رسول اللہ ص ۱۸ تا ۱۹)۔

وَكَانَ نُورٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ يَتَوَفَّدُ
شِعَاعُهُ وَيَتَلَا لَا ضِيَاءُ وَهُوَ لَا يَرَاهُ حَبْرٌ إِلَّا قَبْلَ يَدِهِ وَلَا يَمُرُّ بِشَيْءٍ إِلَّا
سَجَدَ إِلَيْهِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ان کے چہرے میں جودہ گرتا تھا جس سے نورانی شعاعیں چمکارتے مارتی تھیں اور اس کی ضیا، پاشیاں چمکتی تھیں اور ان کو (اہل کتاب کا) جو عالم دیکھ لیتا وہ آپ کے ہاتھ کو چوم لیتا تھا اور آپ جس چیز کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ آپ کو تہجد کرتی عرب کے قبائل اور اچھے لوگوں کے فدو آپ کے پاس آتے اور اپنی لڑکیوں کے رشتے پیش کرتے اور ان سے نکاح کرنے کی درخواست کرتے یہاں تک کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے بھی یہ پیغام بھیجا کہ میری ایک اتنی حسین و جمیل اور خوبصورت بیٹی ہے کہ کسی ماں نے آج تک ایسی بیٹی نہیں جنی ہوگی تم میرے پاس آ کر ٹھہرو کہ میں اس کی شادی تمہارے ساتھ کروں کیونکہ آپ کے جود و سخا اور کرم نوازیوں کی خبر مجھ تک پہنچی چکی ہے روم کے بادشاہ نے شادی کا ارادہ محض اس لیے کیے تھا کہ وہ اس کے ذریعے نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرنا چاہتا تھا جس کی تعریف ان کے ہاں انجیل میں بیان کی گئی تھی لیکن جناب ہاشم نے صاف انکار کر دیا (ذرقانی جلد اول صفحہ نمبر ۳۷) جناب ہاشم ذی الحج کی پہلی تاریخ کو صبح کے وقت کعبہ معظمہ سے پشت رکا کر یوں خطاب کرتے تھے اے قریش کے گروہ اتم خدا کے گھر کے پڑوسی ہو خدا نے بنی اسماعیل میں سے تم کو اس کی تولیت کا شرف بخشا ہے اور تم کو اس کے پڑوسی کے لیے خاص کیا ہے خدا کے زائرین تمہارے پاس آ رہے ہیں جو اس گھر کی تعظیم کرتے ہیں پس وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کی میزبانی کا حق سب سے زیادہ تم پر ہے۔ اس لئے تم اللہ تعالیٰ کے مہمانوں اور اس گھر کے زائرین کا اکرام کرو جو ہر شیر سے تیروں جیسی لاغر اور ہیک اندام اونٹنیوں

پر ژولیدہ مو اور غبار آلود آ رہے ہیں اس گھر کے رب کی قسم اگر میرے پاس اس کام کے لیے ہاں
سر مایہ ہوتا تو میں تمہیں تکلیف نہ دیتا میں اپنے کسب حلال کی کمائی میں سے دسے رہا ہوں۔ تم میر
سے جو بھی چاہے ایسا کرے میں اس گھر کی حرمت کا واسطہ دیکر گزارش کرتا ہوں کہ جو شخص بیت
اللہ شریف کے زائرین کو اپنے مال سے دسے دو صرف حلال کی کمائی میں سے ہو۔ اس تقریر پر
قریش اپنے حلال مالوں میں سے دیا کرتے اور دار اندوہ میں جمع کر دیتے۔

حضرت ہاشم کا اصلی نام عمرو تھا بلند مرتبہ کے سبب عمرو العلاء کہلاتے تھے۔ نہایت مہمان نواز تھے،
ان کا دسترخوان ہر وقت بچھا رہتا۔ ایک سال قریش میں سخت قحط پڑا یہ ملک شام سے خشک رونیاں
خرید کر کھانے میں مکہ مکرمہ پہنچے اور روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹوں کے گوشت کے شوربے میں ڈال
کر شہید تیار کیا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اس دن سے ان کو ہاشم (روٹیوں کا چورہ کرنے والا)
کہنے لگے۔

جناب عبد مناف کے صاحبزادوں نے قریش کی تجارت کو بہت ترقی دی اور دوسرے ممالک کے
ساتھ تعلقات پیدا کر کے ان سے کاروان قریش کے لیے فراہمین حفظ و امن حاصل کیے چنانچہ
حضرت ہاشم نے قیصر روم اور عثمان کے بادشاہ سے اور عبد القیس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی
سے اور نوفل نے عراق کے اکاسرہ سے اور مطلب نے یمن کے بادشاہ حمیر سے اسی قسم کے فرمان
لکھوا لیے۔ اس لیے قریش موسم سرما میں یمن و حبشہ میں اور موسم گرما میں عراق و شام میں جاتے
تھے اور ایشیائے کوچک کے مشہور شہر انقرہ (انگور) تک پہنچ جاتے تھے۔

جناب ہاشم کی پیشانی میں نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم چمکتا رہتا تھا۔ احبار (اہل کتاب کے علماء) میں
سے جو آپ کو دیکھتا آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا۔ قبائل عرب اور احبار کی طرف سے آپ کو شادی
کے پیغام آتے مگر آپ انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ بغرض تجارت آپ ملک شام کی طرف روانہ
ہوئے تو راستے میں مدینہ منورہ میں بنو عدی بن نجار میں سے ایک شخص عمرو بن زید بن ابیہ خزر جی
کے ہاں ٹھہرے اس کی صاحبزادی سلمیٰ حسن و جمال اور شرافت و نجابت میں اپنی قوم کی تمام

عورتوں میں ممتاز و منفرد تھیں آپ نے اس سے شادی کر لی مگر عمرو بن زید نے جناب ہاشم سے
مہر لیا کہ سلمیٰ جو اولاد بنے گی وہ اپنے میکے میں بنے گی شادی کے بعد جناب ہاشم ملک شام کو
پہنچے گئے جب واپس آئے تو سلمیٰ کو اپنے ساتھ مکہ مکرمہ میں لے آئے جب محل کے آثار محسوس
ہوئے تو سلمیٰ کو حسب وعدہ مدینہ منورہ میں چھوڑ کر آپ ملک شام کو روانہ ہو گئے اور وہیں غزوہ کے
تمام پر پچیس سال کی عمر میں انتقال کر گئے اور غزوہ ہی میں دفن ہوئے (سیرت رسول عربی صفحہ نمبر
۳۳۲)۔

حضرت عبدالمطلب بن حضرت ہاشم:

حضرت ہاشم کی بیوی سلمیٰ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کے سر میں کچھ سفید بال تھے اس لئے
اس کا نام شہید رکھا گیا اور عہدہ الحمد بھی کہتے تھے حمد کی نسبت اس کی طرف اس امید پر کی گئی کہ اس
سے نیک افعال سرزد ہونگے جس کے سبب سے لوگ اس کی تعریف کیا کریں گے جناب شہید
سات یا آٹھ سال مدینہ منورہ ہی میں رہے پھر مطلب بن عبد مناف کو خبر گئی تو اپنے اس بھتیجے کو
لے کر مدینہ منورہ میں پہنچے جب آپ مدینہ منورہ سے واپس آئے تو جناب شہید کو اپنے بھتیجے
اونٹ پر سوار کر لیا۔ جناب شہید کے کپڑے پٹے پرانے تھے جب چاشت کے وقت مکہ مکرمہ میں
داخل ہوئے تو لوگوں نے مطلب سے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ مطلب نے جواب میں کہا یہ
میرا عہد (یعنی غلام) ہے اس وجہ سے جناب شہید و عبدالمطلب کہنے لگے وہ تسمیہ میں بعضوں نے
اور اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ مطلب کے بعد اہل مکہ کی ریاست حضرت عبدالمطلب کو ملی اور
(حاجیوں کی میزبانی کا منصب) وفات اور (حاجیوں کو آب زم زم پلانے کا منصب) سقایت
انہی کے حوالے ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مبارک حضرت عبدالمطلب کی پیشانی
میں چمکتا رہتا تھا ان سے کستوری کی خوشبو آتی تھی جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تو حضرت عبد
المطلب کو کوہ شہیر پر لیجاتے اور ان کے وسیلے سے بارگاہ رب العزت میں دعا مانگتے۔ اور ایام قحط

میں ان کے واسطے سے طلب ہاراں کرتے اور وہ عاقبول ہوتی حضرت عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جو قنث (عبادت) کیا کرتے تھے یعنی ہر سال ماہ رمضان میں غار حرا میں جا کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں گوش نشین رہا کرتے وہ موجد تھے شراب و زنا کو حرام جانتے تھے۔ نکاح محارم سے اور بھانجے بڑھئی طواف کعبہ سے منع کرتے لڑکیوں کے قتل سے روکتے، چور کا ہاتھ کاٹ دیتے، بڑے بچے والد عوات اور فیثما تھے۔ اپنے دسترخوان سے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پرند چرند کو کھلایا کرتے تھے۔ اسلئے لوگ انہیں **مُطْعِمُ الطَّيْرِ** (پرندوں کو کھلانے والے) کہتے تھے۔ یہ سب کچھ محمدی ﷺ کی برکت سے تھا (سیرت رسول عربی صفحہ نمبر ۳۳ تا ۳۴)۔

حضرت عبدالمطلب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم تھے چنانچہ امام فخر الدین رازی نے علامہ قتال کے حوالے سے لکھا ہے۔

إِنَّهُ لَمْ يَزَلْ فِي ذُرِّيَّتِهِمَا مَنْ يُعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ وَلا يَشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَ لَمْ يَزَلِ الرُّسُلُ مِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَقَدْ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ زَيْدُ بْنُ عَمْرٍو وَبَنُ نُفَيْلٍ وَقَسُّ بْنُ سَاعِدَةَ وَيُقَالُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بْنُ هَاشِمٍ جَدُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَامِرُ بْنُ ظَرْبٍ كَانُوا عَلَى دِينِ الْإِسْلَامِ يَقْرَءُونَ بِالْأَبْدَاءِ وَالْأَعَادَةِ وَالتَّوَابِ وَالْعِقَابِ يُؤْخِذُونَ اللَّهَ تَعَالَى وَلا يَأْكُلُونَ الْمَيْتَةَ وَلا يَغْبُدُونَ الْأَوْثَانَ۔ (تفسیر کبیر جداول صفحہ نمبر ۳۸) دار الفکر بیروت) بے شک حضرت ابراہیم و

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایسے لوگ ہمیشہ رہے جو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کی عبادت کرتے تھے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے بہت سے رسول دنیا میں تشریف لائے تھے اور زمانہ جاہلیت میں جناب زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جد امجد جناب عبدالمطلب بن ہاشم اور عامر بن ظرب سب دین اسلام پر قائم تھے جو مہر و معاہدہ و شرف و نشر اور

ثواب و عذاب کا اقرار کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو واحد لا شریک جانتے تھے اور مردار نہیں کھاتے تھے اور بچوں کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ جناب عبدالمطلب عوام و خواص میں مقبول و ہر دل عزیز تھے ان کی طرف سے پرندوں کو باہم غذا پہنچانے اور بے زبان حیوانات پر رحم کرنے کی بناء پر قوم کی طرف سے انہیں **مُطْعِمُ الطَّيْرِ** اور فیاض کے لقب سے نوازا گیا اور وہ مصائب و آلام میں قریش کے کام آتے اور حوادث و مشکلات میں ان کا ہلدا وادی بنے رہتے تھے وہ قریش میں معزز اور ہیرو مانے جاتے تھے وہ پہلے شخص تھے جو غار حرا میں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے وہ اپنی اولاد کو ظلم و ستم اور فتنہ و شر سے باز رہنے کا حکم دیتے تھے حسن اخلاق کی ترغیب دیتے اور ذلیل کاموں سے روکتے تھے ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال یا اس سے کچھ زائد تھی سفید رنگ، خوب رو اور دراز قامت انسان تھے ان کی پیشانی میں نور نبوت اور کلی عزت و وقار جھلکتا تھا۔

حضرت عبدالمطلب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت کرتے ان کی قدر و منزلت بڑھاتے تھے حالانکہ حضور ابھی کسمن ہی تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ فرزند بڑی شان و مرتبہ والا ہوگا اور آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت با سعادت سے پہلے اور بعد آپ کے متعلق نجومیوں کی پیش گوئیوں اور یہود و عیسائی راہبوں کی اطلاعات کی بناء پر ایسا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب کے دس صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں:

- (۱) حضرت عبد اللہ (۲) جناب ابوطالب ان کا نام عبد مناف تھا (۳) جناب زبیر ان تینوں کی والدہ فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ تھیں (۴) حضرت عباس جو خلفائے عباسیین کے مورث اعلیٰ تھے (۵) ضرار۔ ان دونوں کی والدہ عقیلہ عمریہ تھیں (۶) حضرت امیر حمزہ اور (۷) مقوم ان دونوں کی والدہ حالدہ بنت وہب تھیں (۸) ابولہب جس کا نام عبدالمعزی تھا اس کی والدہ کا نام لہنی خزاعیہ تھا (۹) حارث یہ حضرت عبدالمطلب کے سب سے بڑے فرزند تھے انہیں کے نام پر حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابو حارث تھی ان کی والدہ صفیہ تھیں جن کا تعلق بنو عامر صعصعہ سے تھا (۱۰) عیذاقی۔ اس کا نام قحط اور والدہ کا نام مہصہ تھا۔

حضرت عبدالمطلب کی جتنی صاحبزادیاں تھیں۔

(۱) حضرت صفیہ (۲) ام حکیم بیضا سے (۳) عاتکہ (۴) امیہ (۵) اردی (۶) بکۃ حضرت عبدالمطلب سے ایسے بہت سے بڑے حکیمانہ اقوال منقول ہیں جن کو بعد میں قرآن و احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے مثلاً نذر کو پورا کرنا مجرم سے نکاح کی ممانعت، چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم، اولاد کو زندہ و درگور کرنے کی ممانعت و شراب و زنا کی حرمت اور ان پر حد کا نفاذ، برہنہ ہو کر بیت اللہ کے طواف کی ممانعت، حرام مہینوں (یعنی شوال تا محرم) کی عظمت و احترام باقی رکھنا، حضرت عبدالمطلب وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مقتول کے قصاص میں سوا و نوٹوں کے خون بہا کا طریقہ رائج کیا تھا پہلے یہ سلسلہ قریش میں جاری ہوا پھر یہ دوسرے عربوں میں بھی رائج ہو گیا بعد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس خون بہا کو شریعت میں برقرار رکھا (محمد رسول اللہ ص ۱۹ تا ۲۰)۔

جناب کعب احبار سے روایت ہے کہ جب نور محمد کی جناب عبدالمطلب کی طرف منتقل ہوا اور انہوں نے جان لیا تو ایک دن حجر میں سو گئے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا اور ہاتھوں میں تیل لگا ہوا تھا اور نہایت خوبصورت اور عمدہ نفس ترین لباس میں ملبوس تھے وہ حیران ہو گئے کہ یہ سب کچھ کس نے کیا چنانچہ ان کے والد انہیں لے کر قریش کے کاہنوں کے پاس پہنچے انہوں نے مشورہ دیا کہ ان کا نکاح کر دیا جائے چنانچہ حضرت عبدالمطلب کا نکاح کر دیا گیا۔ ان کے جسم مبارک سے خالص کستوری کی خوشبو بہکتی تھی وَ نُورٌ رَسُوْلٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يُضِيُّ فِيْ غُرَّتِهِ وَ كَانَتْ قُرَيْشٌ اِذَا اُصَابَهَا قَحْطٌ شَدِيْدٌ تَاْخُذُ بِيَدِهِ فَتَخْرُجُ بِهِ اِلَى حَبَلٍ ثَنِيْرٍ فَيَنْقَرُوْنَ بِهِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی وَ يَسْأَلُوْنَهُ اَنْ يَّسْقِيَهُمُ الْغَيْثَ فَكَانَ يُغِيْثُهُمْ وَ يَسْقِيَهُمْ بِرُكَّةٍ نُّوْرٍ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں چمکتا تھا اور جب قریش کے ہاں سخت قحط سالی پڑتی تھی تو وہ حضرت

عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر کوٹھیر کی طرف نکل جاتے وہاں جا کر ان کے دیلے سے اللہ تعالیٰ کا رعب حاصل کرتے اور اس سے دعا کرتے ہوئے سوال کرتے کہ وہ انہیں بارانِ رحمت سے اب کر دے چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں بارش عطا فرماتا اور نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی وجہ سے انہیں بارش سے سیراب کر دیتا تھا پھر جب یمن کا بادشاہ ابرہہ خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے آیا قریش کو معلوم ہوا تو حضرت عبدالمطلب نے ان سے کہا کہ چونکہ اس گھر کا مالک خود اس کی حالت فرمائے گا اس لیے اس کی رسائی اس گھر تک نہیں ہو سکے گی پھر ابرہہ قریش کے اونٹ اور ان کی بکریاں ہانک کر لے گیا ان میں حضرت عبدالمطلب کے چار اونٹ بھی شامل تھے پھر حضرت سوار ہو کر قریش کے ساتھ کوٹھیر پر چڑھ گئے اور رسول خدا ﷺ کا نور مبارک چاند کی طرح ان کی پیشانی میں چمکا اور اس کی کریمیں بیت اللہ شریف پر پڑیں حضرت عبدالمطلب نے اب یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا اے قریش کی جماعت اب تم بے خوف ہو کر واپس لوٹ جاؤ کیونکہ یہ واقعہ تمہیں کفایت کرے گا پس اللہ تعالیٰ کی قسم یہ نور مبارک جب بھی ظہور پذیر ہو اے توح و کامیابی ہمارا مقدر ہوئی ہے چنانچہ تمام لوگ متفرق ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے پھر ابرہہ نے اپنا ایک آدمی بھیجا جب وہ مکہ منکرہ میں داخل ہوا اور اس نے حضرت عبدالمطلب کے چہرے کو دیکھا تو کھبرا گیا اور اس کی زبان لڑکھڑا گئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا اور یوں ذکر کرنے لگا جس طرح تیل ذبح ہوتے وقت ذکر کرتا ہے جب ہوش میں آیا تو حضرت عبدالمطلب کے سامنے سجدہ میں گر پڑا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ قریش کے واقعی سچے سردار ہو اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے تو سب سے بڑے سفید ہاتھی نے آپ کے چہرہ نور پر نگاہ ڈالی اور اونٹ کی طرح بیٹھ گیا اور سجدہ میں گر پڑا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو گویا عطا فرمادی تو کہنے لگا اَسْلَامٌ عَلٰی نُوْرِ الَّذِيْ فِيْ ظَهْرِكَ يَا خَيْرَ الْمُطَلَّبِ اے عبدالمطلب اس نور مبارک پر میری طرف سے سلام ہو جو تمہاری پشت میں جلوہ گر ہے (انوار محمدیہ من مواعظ لیلہ نمبر ۱۸ تا ۱۹) آپ موجدِ خدا پرست تھے۔ رونو جزا اور

اس مقال کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے کہ امام نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے اور امام بخاری نے کہا کہ یہ ایسی احادیث روایت کرتا ہے جن کی متابعت نہیں کی گئی اور اس کی بہت سی احادیث منکر ہیں (شرح مسند امام احمد جلد ہشتم صفحہ نمبر ۲۲) خلاصہ میں ہے کہ ابوداؤد اور نسائی میں اس کی صرف ایک ہی حدیث ہے جو منکر و غریب ہے (جندیب التلمذ یہ میں ہے کہ وہ منکر روایت بھی ہے جسے کس نے گمراہ ہے) نیز خلاصہ میں ہے کہ ترمذی میں بھی عبد اللہ بن عمرو کی روایت سے ایک ہی حدیث ہے جو منکر ہے، نیز خلاصہ میں ہے کہ امام بخاری نے کہا اس کی کئی احادیث منکر ہیں۔ امام ذہبی جو نقد و رجال کے ماہر کامل ہیں میزان میں اس (راوی ربیعہ بن سیف) کا ذکر کر کے خاص اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ حافظ عبد الحق ازدی نے یہ حدیث منکر کہا کہ وہ (ربیعہ بن سیف) ضعیف الحدیث ہے اس کی روایات منکر ہیں اور امام ابن حبان نے کہا کہ اس روایت پر ربیعہ کی متابعت نہیں ہوئی (یعنی کوئی دیگر راوی اس کی تائید نہیں کرتا اور وہ اکیلا جھٹ نہیں ہے) اس کی احادیث میں منکر روایات بھی ہیں (میزان جلد اول صفحہ نمبر 298 مطبوعہ ہند) میرے معزز ناظرین اس راوی ربیعہ بن سیف اور اس کی اس روایت کی بابت محدثین کی تصریحات آپ کے سامنے ہیں اور حضرت عبد المطلب کی عظمت و جلالت اور درگاہ ایزدی میں انابت و استجابت اور مخلوق خدا پر شفقت و سخاوت اور بت پرستی اور منکرات سے اجتناب اور اپنی اولاد کی تربیت ملت ابراہیمی کے اصول پر کرنا بھی آپ صفحات سابقہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں کیا آپ کا ضمیر یہ شہادت دے سکتا ہے کہ ایسے جلیل القدر شخص کی نسبت ایسی رائے کہ معاذ اللہ وہ جنت سے محروم ہے۔ درست ہے۔ دیگر یہ کہ محدثین کی موافقت میں یہ کہنا کہ اس راوی نے خطا کی آسان ہے اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد کی بخشش نہیں ہوگی۔ حالانکہ بت پرستی سے ان کا پرہیز اور خالص خدائے تعالیٰ سے التجا و دعا ثابت ہے۔ بہت بھاری امر ہے۔

2- حضرت عبد المطلب کے متعلق دوسری غلطی روایت یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے پاس اس کی موت کے وقت گئے اور وہاں ابوجہل اور ابن ابی امیہ بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا چچا جان اکلمہ لا ائله الا الله کا اقرار کچھ میں خدا کے ہاں آپ کے لیے اس کی شہادت (گواہی) دوں گا۔ ابوجہل نے کہا کیا تو عبد المطلب کے مذہب سے بیزار ہو جائے گا۔ ابوطالب نے کہا میں عبد المطلب کے مذہب پر ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد المطلب بھی شرک کی حالت میں فوت ہوا۔

ام سیوطی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی رو سے بالخصوص عبد المطلب کے متعلق ایمان کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے، تاویل قریب ہو نہیں سکتی اور تاویل بعید کو اہل اصول تسلیم نہیں کرتے (مسائل صفحہ نمبر 39)

باجز کہتا ہے اس کا جواب مشکل نہیں۔ آسان ہے، نہ تاویل کی ضرورت ہے نہ حدیث کی صحت میں کلام ہے اس کی توضیح یوں ہے کہ جب حضرت عبد المطلب کے متعلق حسب تصریحات سابقہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ ملت ابراہیمی پر تھے اور ساری عمر میں نہ تو ان کے متعلق بت کو جہد کرنے یا اس کے گرد طواف کرنے کی کوئی روایت ہے اور نہ کسی بت کی نذر گزارنے یا اس سے دعا و التجا کرنے کا ثبوت ہے بلکہ اس کے برخلاف خالصا خدائے تعالیٰ سے دعا کرنے اور اس کے نام کی قربانی کرنے اور سنن ابراہیم علیہ السلام کو قائم کرنے اور اپنی اولاد کو اسی کی ہدایت و تعلیم کرنے کی تصریحات موجود ہیں اس لیے ان کو مشرک کہنے کی کوئی صورت نہیں بلکہ ہم تو یہ بھی کہنے کو تیار ہیں کہ جناب ابوطالب کی نسبت بھی بت پرستی کا کوئی ثبوت نہیں جب کہ اس کے توحیدی اشعار سے توحید ثابت ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ ابوطالب کو دعوت نبوت پہنچ چکی ہے اور وقت کے نبی ﷺ ہاں مشافہ ان کو دعوت دے رہے ہیں اور وہ دعوت کو قبول نہیں کرتا تو وہ کافر ہوتا کہ مشرک، لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت عبد المطلب نے تو دعوت کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ لہذا نہ آپ ان کو کافر کہہ سکتے ہیں نہ مشرک شاید آپ جلدی سے یہ کہہ دیں کہ آنحضرت ﷺ ابوطالب کے سامنے بھی تو صرف اکلمہ توحید ہی پیش کر رہے ہیں اور وہ اس کا اقرار نہیں کرتا ہے کہ اَنَا عَلَىٰ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یعنی میں عبد المطلب کی ملت پر ہوں۔

تو معلوم ہوا کہ عبدالمطلب بھی توحید کے قائل نہیں تھے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ابوطالب کے کلمہ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے کہنے اور عبدالمطلب کے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہنے میں اجمال اور تفصیل کا
 فرق ہے دعوت رسول کے نہ پہنچنے کی صورت میں صرف توحید کا اقرار نجات کے لیے کافی ہے اور
 اس میں کسی امام سنت کو اختلاف نہیں۔ حضرت عبدالمطلب کے وقت دعوت رسالت بالکل نہیں
 تھی (حضرت عبدالمطلب حضور علیہ السلام کی آٹھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے جبکہ حضور
 نے چالیس سال کی عمر مبارک کے بعد اعلان نبوت فرما کر دعوت رسالت کا آغاز فرمایا اس طرح
 حضرت عبدالمطلب تو دعوت رسالت سے بیس ۲۳ سال پہلے انتقال فرما گئے تھے) اس لیے
 حضرت عبدالمطلب کے لیے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کا اقرار مجمل بھی کافی تھا (کہ اس وقت نجات
 کے لیے صرف اقرار توحید کافی تھا) لیکن جناب ابوطالب کو خود صاحب دعوت رسول، دعوت کلمہ
 توحید دے رہے ہیں تو اپنی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کو حذف و ساقط کر کے نہیں دے رہے تھے
 بلکہ ایمان تفصیلی کی دعوت دے رہے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں وفد عبد القیس والی روایت میں
 ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ ایمان **بِاللَّهِ** کیا ہے؟ اس
 کے بعد خود ارشاد فرمایا کہ ایمان **بِاللَّهِ** یہ ہے کہ تم خدا تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی
 رسالت کا اقرار کرو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور ماہ رمضان کے روزے رکھو الحمد للہ (کتاب
 الایمان) اسی طرح حدیث جبرائیل علیہ السلام میں بھی ایمان کے معنی یہی بیان کیے ہیں اور یہ
 سب معنی تفصیلی ایمان کے ہیں اگر آپ حضرت عبدالمطلب اور ابوطالب کے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**
 کے اجمال اور تفصیل کا فرق نہیں کرتے تو کیا آپ اس بات کو جائز جانتے ہیں کہ اگر بالفرض ابو
 طالب بغیر تصدیق رسالت کے کلمہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہہ دیتا تو اس کا یہ ایمان موجب نجات
 ہو جاتا؟ تو آپ کو سکھوں اور آریوں کو کافر کہنے میں بہت مشکل پیش آئے گی جو بغیر اقرار
 رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توحید الہی کے قائل ہیں پس ماننا پڑے گا کہ آنحضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم ابوطالب کو جو کلمہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہنے کے لیے فرما رہے ہیں وہ بمع اقرار

رسالت کے فرما رہے ہیں جو تمام تفصیلات ایمان پر مشتمل ہے اور ابوطالب نے جو کہا کہ میں عبد
 الہ کی ملت پر ہوں تو اس نے رسالت پر ایمان لانے کے سوا صرف اجمالی ایمان کو کافی جانا۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بالمشافہ دعوت کے وقت کافی نہیں تھا۔ پس ابوطالب رسالت کا
 اقرار اس کی وجہ سے (افسوس) اس کی مغفرت نہ ہوئی لیکن جناب عبدالمطلب کو دعوت نہیں
 ملی اس کا حساب محض توحید کے اقرار کا ہوگا۔ اگر پایا گیا تو اس کی نجات ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔
 توحید کا اقرار فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اور تمام کائنات ارضی و سماوی اس کی شہادت
 دیتی ہے اور ایمان بالرسالت سماعت پر موقوف ہے جب سماعت نہیں ہوتی تو اس کا حساب
 نہیں ہوگا۔ اور بار بار کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کے موحد ہونے کے خلاف کوئی دلیل
 نہیں اور وجہ موجہ نہیں ہے (سیرت المصطفیٰ کمال صفحہ نمبر ۱۶۱ تا ۱۶۲)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عبدالمطلب

حلف بیویوں سے (حضرت) عبدالمطلب کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں آنحضرت کے والد
 حضرت عبد اللہ، ابوطالب، زبیر اور عبد الکعب یہ چار بیٹے اور حضرت صفیہ کے سوا دیگر سب
 یاں ایک ہی ماں فاطمہ بنت عمر و غزوہ مدینہ سے تھے جن کا نسب نامہ (حضرت) عبدالمطلب سے
 انچیس پشت میں جناب مرہ بن کعب پر جاملتا ہے (حضرت) عبد اللہ اپنی ماں کے سب سے
 بڑے بیٹے تھے اور (حضرت) عبدالمطلب کو سب سے زیادہ پیارے تھے یہ پیارا ایک قدرتی
 شش کے ماتحت تھا اور اس کا مرکز وہ مبارک نور تھا جو اوپر کے آباؤ اجداد اسے منتقل ہو کر
 (حضرت) عبد اللہ کی مبارک پیشانی میں چمکتا تھا۔ علامہ محمود شکر اپنی مایہ ناز کتاب "بلوغ العرب
 فی احوال العرب" میں (جناب) عبد مناف کے ذکر میں فرماتے ہیں:

(حضرت) عبد مناف کو اس حسن و جمال کی وجہ سے **قَمَرُ الْبَطْحَا** (سکستان مکی و ادوی کا
 چاند) کہتے تھے آپ بتوں کو برا جانتے تھے اور آپ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک
 ظاہر و آشکارا تھا۔ اسی طرح (حضرت) عبد مناف کے بیٹے (حضرت) حاشم کے بیان میں

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ان کے چہرے میں موتی کی طرح چمکتا تھا ان کو دیکھتا ان کے ہاتھ چوم لیتا اور وہ جس شے کے پاس سے گزرتے وہ شے ان کو سجدہ کرتی۔ اس طرح (حضرت) حاشم کے سپوت (حضرت) عبدالمطلب کی بابت لکھتے ہیں وَكَانَ مُجَابِبَ الدُّعَا (صفحہ ۳۲۵ جلد اول) یعنی آپ مستجاب الدعوات تھے اور دوسرے مورخین پر فرماتے ہیں۔ اور حضرت عبدالمطلب کے چہرے پر نور مبارک موتی کی طرح چمکتا تھا اور ان کے چہرے کے خدو خال سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہوتا تھا (صفحہ ۳۱۲ جلد ۱۲ حوالہ کعب بن لؤی اسی طرح خود (حضرت) عبد اللہ بھی نور کے پتلے اور حسن جمال کے مجسمے تھے۔ مؤرخ و محدث علامہ ابن جریر طبری مام زہری سے نقل کر کے لکھتے ہیں۔ اِنَّ عَيْنَ اللّٰهِ بَيْنَ الْمُطَلِّبِ سَمَانَ اُجْمَلٍ رِّجَالٍ قُرَيْشٍ (جلد ۲ صفحہ نمبر ۱۷۶)

یعنی (حضرت) عبد اللہ بن عبدالمطلب قریشیوں میں سب سے زیادہ صاحب حسن و جمال تھے اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عبد اللہ کا یہ نور مبارک موروثی تھا اسی وجہ سے جو کوئی آپ کی طرف دیکھتا آپ آنکھوں کے راستے اس کے دل میں اتر جاتے (سیرت المصطفیٰ کامل صفحہ ۱۰۲)

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی مجھے پکار پکار کہہ رہا ہے کہ چاہے زمر کو کھودو اور اس کی جگہ کی نشاندہی بھی کر دی گئی جب وہ کھودنے لگا قریش نے مخالفت کی (اور یہ ان کے مقابلہ سے قاصر تھے) کیونکہ ان کا اس وقت معاون و مددگار اگر کوئی تھا تو ان کا اکلوتا بیٹا حارث تھا اس پر انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس بیٹے فرمائے اور وہ اس عمر کو پہنچیں کہ میری مدد و اعانت کر سکیں تو میں ان میں سے کسی ایک بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کعبہ مبارکہ کے پاس ذبح کروں گا جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دس بیٹے پیدا ہو کر جوان ہو گئے اور جناب عبدالمطلب کو ان کی قوت اور بازو پر اعتماد و اطمینان ہو گیا تو آپ

نے سب بیٹوں کو بلا کر اپنی نذر سے آگاہ کیا۔ سب نے راہ خدا میں قربان ہونے کے لیے راضی ہو کر اظہار کیا اور ہر ایک نے دستور کے مطابق اپنا نام تیر پر لکھا کہ سب تیروں کو جمع کر کے عبد اندازی کی جائے کہ ذبح ہوتا کس کے مقدر میں ہے چنانچہ جب سب بھائیوں کے ناموں نے تیروں کی قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ فال حضرت عبد اللہ کے نام نکلا حضرت عبدالمطلب نے اپنی بیوی کے پاس کوئی عذر نہ دیا اور دیگر عزیز و اقارب کو اس کا علم ہوا تو وہ بھی اپنی مجالس کو چھوڑ کر فوراً ان کے پاس پہنچ گئے اور کہا کہ ابھی جلدی میں ایسا فیصلہ ہرگز نہ کرو عبد مزید تسلی و تشفی کرو تا کہ کوئی عذر اور شک و تردید باقی نہ رہے اور اگر یہ ممکن ہو کہ اس جوان کی جان بچ جائے اور نذر پوری کرنے کی کوئی اور سبیل نکل آئے تو وہ سورت اختیار کرنی چاہئے۔ آپ ان کے مشورہ پر حضرت عبد اللہ کو ساتھ لے کر ایک کاہنہ عورت کے پاس گئے اور ساری صورت حال بتائی اس نے پوچھا تمہارے ہاں خون بہا کیا ہوتا ہے اور تم ناحق قتل کا بدلہ کتنا مال دیتے ہو۔ آپ نے کہا دس اونٹ تو اس عورت نے کہا کہ پھر ایسا کرو کہ ایک طرف دس اونٹ اور دوسری طرف اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کو بیٹھا کر قرعہ اندازی کرو۔ اگر قرعہ فال اونٹوں کے نام نکل آئے تو انہیں ذبح کر دو ورنہ دس دس اونٹ مزید بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ جب قرعہ فال اونٹوں کے نام نکل آئے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اونٹوں کی قربانی قبول کر کے راضی ہو گیا ہے اور تمہارے بیٹے کے ذبح سے درگزر فرمالیا چنانچہ اس کے کہنے پر حضرت عبد اللہ اور دس اونٹ کعبہ معظمہ کے قریب قربانی کی غرض سے لائے گئے اور قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ فال حضرت عبد اللہ کے نام نکلا دس اونٹ بڑھا کر پھر قرعہ اندازی کی گئی تو پھر بھی حضرت عبد اللہ کا نام نکلا اور دس اونٹ بڑھا دیئے حتیٰ کہ اس طرح دس دس کا اضافہ کرتے کرتے نو بت سو اونٹ پر جا پہنچی کیونکہ سو اونٹوں کی قرعہ اندازی میں حضرت عبد اللہ کی بجائے اونٹوں کے نام نہر قرعہ فال نکلا تو اسی وقت ان کو ذبح کر دیا گیا اور کھلے عام چھوڑ دیا گیا تا کہ ہر ایک اپنا اپنا مقدر اور حصہ ان میں سے وصول کر لے انسان بھی اور درندہ بھی (الوقایا حوالہ المصطفیٰ مترجم صفحہ نمبر ۱۱۳۳)

اور تفسیر کشاف میں ہے کہ رسول اکرم نبی معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا اَنَا اَبْنُ الدِّ نِيْحَيْنِ میں دو ذبیحوں (حضرت اسماعیل و حضرت عبد اللہ) کا بیٹا ہوں اور بعض سے مروی ہے کہ ہم حضرت امیر معاویہ کے پاس موجود تھے کہ لوگوں میں یہ مذاکرہ شروع ہو گیا کہ ذبیح کون ہے؟ حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق؟ حضرت امیر معاویہ نے فرمایا کہ تم نے ایک ایسے شخص کے سامنے یہ ذکر شروع کر دیا ہے جو اس کی حقیقت حال سے پوری طرح باخبر ہے دراصل ایک روز ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے اپنے علاقے کی خشک سالی کی شکایت کی اور عرض کی **يَا رَسُولَ اللَّهِ** میں اپنے شہروں کو خشک چھوڑ آیا ہوں مال ہلاک ہو گئے ہیں اور اہل و عیال برباد ہو گئے ہیں اے دو ذبیحوں کے صاحبزادے آپ مجھے اس میں سے ضرور عنایت دیجئے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا رکھا ہے چنانچہ یہ لفظ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور اس پر انکار نہیں فرمایا پھر لوگوں نے حضرت امیر معاویہ سے پوچھا اے امیر المؤمنین وہ دو ذبیح کون ہیں؟ حضرت امیر معاویہ نے فرمایا کہ ایک حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب اور دوسرے حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام (سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ نمبر ۵۹ مطبوعہ بیروت)

پروردگار عالم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عبد اللہ کی قربانی کا ہدیہ قبول فرما کر دونوں کو بچا لیا کیونکہ دونوں کی پیشانیوں میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک جلوہ گر تھا اور انہیں کی نسل سے آپ کا ظہور مقدر ہو چکا تھا اور یہ آپ کے نور ہی کی برکت اور وجہ تھی کہ دونوں کی قربانیاں بھی منظور ہوئیں اور جائیں بھی یحییٰ حضرت عبد اللہ کی قربانی سے پہلے عرب میں انسانی دیت (خون بہا) کے دس اونٹ مقرر تھے لیکن اس واقعہ کے بعد دیت کی مقدار ایک سواونٹ مقرر ہو گئی دیت کی مقدار زیادہ ہو جانے سے ظاہر ہے کہ انسان کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہوگی اور قتل کی واردات میں بھی نمایاں کمی ہو گئی ہوگی۔ یہ گویا اسی نور قدسی کے ظہور کی تہنید تھی جس کے عالم وجود میں آنے سے انسانیت کی قدر و قیمت میں اضافہ اور ظلم و ستم کا خاتمہ ہوتا تھا (الذکر الحسین فی سیرۃ

جب حضرت عبد اللہ کی طرف سے ایک سواونٹ ذبح کئے گئے (اور سارے عرب میں ان کا شہرہ اور آواز بلند ہوا) تو ایک دن حضرت عبد اللہ اپنے والد ماجد حضرت عبد المطلب کے ہمراہ ام قمال بنت نوفل بن اسد بن عبد العزی کے پاس سے گزرے جو کہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھیں تو اس نے کہا اے عبد اللہ کہاں جا رہے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں اپنے باپ کے ہمراہ جا رہا ہوں جدھر وہ جائیں گے میں بھی انہیں کے ساتھ جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ تم مجھ سے اتنے اونٹ لے لو جو تمہاری ذات پر بطور فدیہ قربان کیے گئے ہیں اور مجھ اپنی بیوی بنالو آپ نے کہا میں اپنے باپ کے ساتھ ہوں اور ان سے جدا نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبد المطلب ان کو اپنے ہمراہ لیے سیدھے حضرت وحب بن عبد مناف بن زحرہ کے پاس پہنچے اور ان کی لخت جگر حضرت آمنہ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ جب شب زفاف ہوا تو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ سے منتقل ہو کر حضرت آمنہ کے بطن اقدس میں جلوہ گر ہو گیا۔ دوسرے روز جب حضرت عبد اللہ اپنے گھر سے نکلے اور ام قمال سے جا کر کہا کہ تو نے جو دعوت نکاح دی تھی اور شادی کی جو پیش کش کی تھی وہ مجھے قبول ہے لہذا تو مجھ سے نکاح کر لے اس نے آمادگی ظاہر نہ کی تو آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کل تو خود پیش کش کر رہی تھی اور آج تو اس سے اعراض و روگردانی کا مظاہرہ کر رہی ہو تو اس نے کہا وہ نور مبارک جو تیری پیشانی میں چمکتا تھا اور جس کی والدہ بننے کی تمنا پر میں اتنے اوصیت بھی پیش کرنے کو تیار تھی وہ تجھ سے جدا ہو گیا ہے۔ لہذا اب مجھے تمہارے ساتھ نکاح اور شادی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

ام قمال کے اس علم و معرفت کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بھائی ورقہ بن نوفل نے نصرانی مذہب اختیار کر لیا تھا اور وہ کتب سماویہ کا مطالعہ کرتے تھے اور اس کو اس مطالعہ سے معلوم ہوا تھا کہ اس امت میں اولاد اسماعیل علیہ السلام سے ایک آخر الزمان نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ ام قمال نے اپنے بھائی سے حاصل شدہ معلومات کے مطابق معلوم کر لیا کہ **اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ عَلِيٌّ**

النساء کے والد گرامی یہی ہیں اور ان کی پیشانی میں جس نور کا ظہور ہے وہ اسی نور مجسم ہی کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نیز ابو الفیاض سے مروی و منقول ہے کہ جب حضرت عبدالطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو اپنے ساتھ لے کر بنی زہرہ کے پاس جا رہے تھے تاکہ وہاں ان کی شادی کی جائے تو ایک اور کاہنہ عورت کے پاس بھی گزر ہوا تھا جس کو فاطمہ بنت مرکہا جانتا تھا جو عورتوں میں سب سے خوبصورت، شکل و شہادت میں سب سے برتر اور عفت و پاکدامنی میں سب سے بڑھ کر تھی وہ کتب قدیمہ کا مطالعہ کرتی تھی اور قریش کے لوگ اس کے پاس جاتے اور مختلف معلومات حاصل کرتے تھے جب اس نے حضرت عبداللہ کو دیکھا اور ان کے چہرہ انور میں موجود نور نبوت کا نظارہ کیا اور اس سے نور کی شعاعیں اور کرنیں پھوٹی دیکھیں تو اس نے پوچھا اے جوان تم کون ہو؟ حضرت عبداللہ نے اپنا تعارف کرایا تو اس نے کہا اگر تم میرے ساتھ نکاح اور موافقت پسند کرو تو میں ایک سواونت بھی دینے کو تیار ہوں آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

أَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ ذُوْنَهُ وَالْجَلُّ لَا جَلَّ فَاِنَّهُ تَبَيَّنَتْ
لیکن حرام کے ارتکاب سے تو مر جانا ہی بہتر ہے اور حلال و جائز صورت بھی نظر نہیں آتی تاکہ میں اس پر غور و فکر کروں۔

فَكَيْفَ بَا لَأَمْرِ الَّذِي تَبَيَّنَتْهُ وَيَخْمَى الْكَرِيمُ عَوْضَةً وَدِينَهُ
سو جس کام کو تم چاہتی ہو وہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور شریف آدمی اپنی عزت اور اپنے دین کو بچاتا ہے۔

پھر جب حضرت عبداللہ کا حضرت آمنہ بنت وہب سے نکاح ہو گیا اور محنتی کے بعد ان کے پاس گئے اور شب زفاف فرمایا یہاں تک کہ نور نبوت ان کی طرف منتقل ہو گیا تو آپ کو قبیلہ غنیمہ کی اس کاہنہ عورت فاطمہ بنت مرکہا کی پیشکش قبول کرنے کا خیال آیا اور آپ اس کے پاس گئے تاکہ اس سے نکاح کر لیں مگر اس کی طرف سے کوئی گرجوئی اور نکاح کی رغبت نہ پائی تو خود ہی بولے کہ جو پہلے تو نے کہا تھا اگر اب رغبت ہو تو میں آمادہ ہوں اس نے کہا ایک وقت یہ خیال آیا تھا لیکن اب نہیں ہے پھر اس نے پوچھا کہ یہاں سے جا کر تم نے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنی بیوی حضرت آمنہ بنت وہب سے مباشرت کی ہے اس

نے کہا میں کوئی بدکار عورت نہیں کہ تمہیں برائی کی دعوت دیتی دراصل یہ بی بی تھی کہ
أَلَيْسَ نُورُ النَّبُوَّةِ فِي وَجْهِكَ فَأَرَدْتُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ فِي وَأَتَى اللَّهَ إِلَّا
نُصَيِّرَ حَنِثٌ أَحَبُّ۔ میں نے تمہارے چہرے میں نور نبوت کو دیکھا سو میں نے چاہا کہ وہ نور
میں منتقل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے منظور نہیں فرمایا مگر اس نے جہاں چاہا وہاں پہنچا دیا (الوفاء باحوال
ص ۱۱۳ صفحہ نمبر ۱۱۳)

واقعات میں حضرت عبداللہ صاحب کیسے پاک صاف رہے۔ یہ اتنا اسی قسم کے تھے جو حضرت یوسف
صلى تَبَيَّنَتْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کو پیش آیا تھا۔ ہر دو کے پاک دامن دھنکے کی یہ بی بی تھی کہ
حضرت یوسف علیہ السلام تو نبی بننے والے تھے اور حضرت عبداللہ کی پشت سے پیغمبر آخر الزمان پیدا ہونے
لے تھے اس میں اس امر کی تین دلیل ہے کہ جن پشتوں اور پیٹوں سے کوئی پیغمبر پیدا ہونے والا ہو وہ
تسل اور پیٹ اس قسم کی برائیوں سے بالکل پاک رہتے ہیں اور ان کے لیے خدائے تعالیٰ اپنی حفاظت
کے خاص سہاں پیدا کرتا ہے وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔

حضرت عبداللہ کی طہارت نفس، کیریکٹر کی پاکیزگی اور اخلاق کی بلندی کی نسبت جو کچھ سابق لکھا جا چکا
ہے اس کے علاوہ اتنا اضافہ ضروری ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موسوی
ان سیران جنگ کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا يَا أَهْلَ مَكَّةَ مَا
رَوْنِ أَنْتُمْ فَاَعْلَ بِكُمْ فَأَنْوَا خَيْرًا، أَخَ كَرِيمٌ وَأَنْتُمْ أَخَ كَرِيمٌ (طبری جلد 2 صفحہ
120 و مدارج النبوت جلد 2 صفحہ نمبر 35) اس سائل کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے (کیسا سلوک)

کروں گا۔ انہوں نے کہا نیکی کا کیونکہ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی (حضرت عبداللہ) کے بیٹے ہیں۔
اس سے صاف عیاں ہے کہ حضرت عبداللہ باوجود نو عمری کے طہارت نفس اور پاکدامنی میں مشہور تھے اس
کریم النفسی اور مروت و احسان میں بھی شہرہ آفاق ہو چکے تھے قوم کے دلوں میں اس کا اتنا گہرا اثر تھا کہ ان کی
فاتح کے تقریر یا ساٹھ سال کے بعد بھی اپنی تفصیلات کی معافی کے لیے ان کے اخلاقی فضائل کو سفر شری
تے ہیں گویا ساٹھ سال کی طویل مدت تک بھی ان کے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ عادات کا نقش ان کی

نظروں کے سامنے ہے اور اس کا اثر ان کے دلوں سے محو نہیں ہوا۔ بہر حال حضرت عبداللہ اپنے ابا و چاچا سے باپ حضرت عبدالطلب کی زندگی میں عین جوانی کی حالت میں یعنی ستر و سال یا بقول بعض پچیس سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔

چونکہ اس مقام پر اصل مقصود طہارت نفس ہے اور بزرگ کارنامے سے دلچسپی میں آتے ہیں۔ اس لیے آنحضرتؐ کے والد ماجد کا طہارت نفس اور اخلاق کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی اور عادات کی سعیدگی کی یادگار چھوڑ کر وفات پا جائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدی شرافت کے لیے کافی ہے (ماخوذ از سیرت النبیؐ، کمال صفحہ نمبر 104-102)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نخیال:

کسی شخص کی شرافت نہی اور خاندانی وجاہت کے ساتھ اس کی جننے والی ماں کے کیر بکڑو کردار اور عفت و پاکدامنی اور خاندان کی بزرگی دیکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ جس طرح باپ کے خون و تخم کا اثر بیٹے میں سرايت کرتا ہے اسی طرح اس کی ماں کے شکم اور خون اور دودھ کا بھی اثر ہوتا ہے جس میں قربانوں میں سے ہونے کا اثر ہے۔ اس کے جسم کی بناوٹ اور پرورش مکمل کو پہنچتی ہے اور پھر دو سال تک اس کے دودھ سے تربیت ہوتی ہے بلکہ بغیر جننے کے صرف دودھ پینے کا بھی اثر ہوتا ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رضاعت کے وقت دیگر سب قبلی عورتوں کے دودھ کو قدرتا بند کرنے اور صرف انہی کی جننے والی ماں کا دودھ پلوا کر ان کی پرورش کرنے کے کیا معنی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس طریق پر پرورش کرنے میں یہی حکمت تھی کہ ان کا خون خالص اسرائیلی رہے اور قبلی عورتوں کے دودھ کو ان میں داخل نہیں ہونے دیا کہ فرعون کے مقابلہ کے وقت ان کی اسرائیلی حرمت و حمایت کا جذبہ و وجہ کم نہ ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعت کے لیے بالخصوص دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتخاب بھی قدرت کی گہری حکمت سے تھا چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

أَنَا أَفْضَحُ الْقَرْبَ نَيْدًا أُنِي مِنْ قُرَيْشٍ وَنَشَأْتُ فِي بَيْتِ سَعْدٍ (اشفاق الملقاضی جلد

جلد صفحہ 61 مطبوعہ استنبول) میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں کیونکہ نسب کی رو سے میں قریش میں سے ہوں اور میرا شوق و نمائندگی سعد میں ہوا ہے۔ اور اس میں بھی قدرت کا تصرف کارفرما ہے کہ جس جس عورت نے حضور کو دودھ پلایا وہ سب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت نبوت کے وقت اسلام لے آئیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ (حضرت آمنہؓ) ثویبہ حلیمہ سعدیہ اور ام ایمنہ۔ (مسائل اختلاف صفحہ نمبر 44) غرضیکہ شرافت و بزرگی اور عزت و چاہت ماں باپ ہر دو کی طرف سے ہونی چاہئے اسی لیے محاورہ میں "نجیب الطرفین" اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دو خیال اور تخیل ہر دو شریف و باوقار ہوں اور یہ امر خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے چنانچہ فرمایا: **هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا** (سورۃ فرقان آیت نمبر 19) اور اللہ تعالیٰ وہ ذات پاک ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور اس کو نسب (جد) اور صہر (سسرال) بنایا۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح نسبی اور خاندانی پشتوں کی طرف سے شریف و نسب تھے کہ ان میں سے کوئی فرد بد عمل اور ذلیل نہیں تھا بلکہ سب کے سب معزز و مکرم اور باکردار صالح انسان تھے۔ اسی طرح رضوں اور شکموں کی طرف سے نجیب و شریف تھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محترم نانیاں سب شریف و صالح خاندانوں سے تھیں اور عفت و عصمت کی دیویاں تھیں۔ اس امر میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اوپر کی نانیاں خاندان قریش سے تھیں۔ بعض تو نسب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہؓ پر اور بعض حضرت کعب بن لؤیؓ پر جا ملتی ہیں اور سب شرافت نسب اور طہارت نفس میں ممتاز تھیں۔ محدث ابن جریر طبری (تیز علامہ ابن کثیر) حضور علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ خاتون اور ان کے والد ماجد حضرت وھب کی نسبت لکھتے ہیں: **وَوَهَبٌ يَوْمَئِذٍ سَيِّدُ بَنِي زُهْرَةَ بَسَنًا وَشَرَفًا فَرَوْحَهُ آمَنَةٌ بَنَتْ وَهَيَ يَوْمَئِذٍ أَفْضَلَ أُمْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ** (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 174 نیز البدایہ و النہایہ الجزء الثانی صفحہ ۲۷۹) اور حضرت وھب نے جو اس وقت عمر اور شرافت و فضیلت دونوں کے لحاظ سے بنی زھرہ کے سردار تھے اپنی بیٹی حضرت آمنہؓ خاتون کا نکاح حضرت

عبداللہ سے کر دیا اور حضرت آمنہ اس وقت سب قریشی عورتوں سے افضل و برتر تھیں (سیرت المصطفیٰ کمال
(105:107)

حضرت آمنہ کا بوقت وصال حضور کی شان میں موصوفہ قصیدہ:

حضرت ام سماع بنت ابی رہم فرماتی ہیں کہ میری والدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے
وقت ان کے پاس حاضر تھیں۔ اس وقت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک پانچ برس تھی۔ آپ
اپنی والدہ ماجدہ کے ہم مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت سیدہ آمنہ نے آپ کے چہرہ انور کی
طرف دیکھا اور یہ شعر پڑھے:

بَارَكَ اللَّهُ فَبَلَكَ مِنْ غَلَامٍ يَا ابْنَ الْذِي مِنْ خَوْفَةِ الْحَمَامِ
اے بیٹے اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے تو اس کا فرزند ہے جس نے موت کی سختی سے

نَجَابِعُونَ الْمَلِكِ الْعَلَامِ فُؤَدِي غَدَاةَ الضَّرْبِ بِالسَّهَامِ
بڑے علم والے بادشاہ اللہ کی مدد سے نجات پائی تھی۔ جب صبح کے وقت نذر پوری کرنے کے لیے
(حضرت عبدالملک کی طرف سے) تیروں پر قرعہ اندازی کی گئی

بِهَائِهِ مِنْ أَهْلِ سُوَامٍ أَنْ صَحَّ مَا أَبْصُرْتُ فِي الْمَنَامِ
(تمہارے باپ کے نام پر) ایک سو قیمتی اونٹ قربان کیے گئے۔ میں نے جو خواب میں دیکھا ہے
اگر وہ سچ ہے

فَأَنْتَ مَبْعُوثٌ إِلَى الْأَنَامِ مِنْ عِنْدِ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ
تو تو تمام کائنات کی طرف نبی بنا کر بھیجا جائے گا۔ خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے

تُبْعُكَ فِي الْجَلِّ وَفِي الْحَرَامِ تَبْعُكَ فِي التَّحْقِيقِ وَالْإِسْلَامِ
تو طہال و حرام میں فرق بتانے والا حرم و غیر حرم کے تمام باشندوں کی طرف نبی مبعوث ہوگا (اور) تو
حق و صداقت کو ظاہر کرنے والا اور دین اسلام کو پھیلانے والا مبعوث ہوگا

ذِيكَ الْمَوَاطِرُ هَامِ قَالَ اللَّهُ أَنَاهَا عَنِ الْأَضَامِ

جو تیرے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ سو اللہ تعالیٰ تجھے بت پرستی سے باز رکھے گا
اِنَّ لَا تَوَالِيَهَا إِلَى الْأَقْوَامِ (اور) یہ کہ تو بت پرستی میں اقوام عرب سے دوستی نہیں رکھے
گا۔ اس کے بعد حضرت سیدہ آمنہ نے فرمایا:

كُلُّ حَيٍّ مَيِّتٌ وَكُلُّ جَدِيدٍ بَالٌ وَكُلُّ كَبِيرٍ نَفْسِي وَأَنَا مَيِّتَةٌ وَ
ذِكْرِي بَاقٍ وَقَدْ تَرَكْتُ خَيْرًا وَوَلَدْتُ طَهْرًا لَكُمْ مَا تَتَّ فُكُنَّا نَسْمَعُ
نُوحَ الْجَنِّ عَلَيْهَا فَحَفِظْنَا مِنْ ذَالِكِ

ہر زندہ مرنے والا ہے اور ہر نئی چیز پرانی ہو جائے گی اور ہر بڑا فنا ہو جائے گا اور میں مر جاؤں گی لیکن میرا
ذکر باقی رہے گا کیونکہ میں بہترین چیز (رسول کریم) چھوڑ کر جا رہی ہوں اور میں نے پاک بچہ کو جنم
دیا ہے پھر آپ فوت ہو گئیں تو ہم نے ان پر مہنوں کا نوحہ کرنا اور رونا سنا اور اس کو یاد رکھا۔

حضرت آمنہ کے وصال پر مہنوں نے نوحہ کرتے ہوئے جو اشعار پڑھے تھے انہیں میں سے یہ
اشعار بھی ہیں۔

تُبْكِي الْفَتَاةَ الْبَرَّةَ الْأَمِينَةَ ذَاتَ الْجَمَالِ وَالْعِفَّةَ الرَّزِينَةَ

ہم ایک جوان نیک امانت دار خاتون پر روتے ہیں جو با جمال پاک دامن عزت و قار والی ہیں
زَوْجَةُ عَبْدِ اللَّهِ وَالْقَرِينَةُ أُمُّ نَبِيِّ اللَّهِ ذِي الشَّكِينَةِ
وہ حضرت عبداللہ کی بیوی اور ہم نشین تھیں۔ اللہ کے نبی کی والدہ الطہینان والی خاتون

وَصَاحِبَةُ الْمَنْبَرِ بِالْمَدِينَةِ صَارَتْ لَدُنِي حُضْرًا تَهَارَ هَيْئَتُهُ
اور وہ مدینہ منورہ میں صاحب منبر ہوگا۔ وہ اپنی قبر میں بطور مانت نحو آرام ہوگی

(الحدادی الملقب بالجزء الثاني نمبر ۲۲۲۔ انھما نصح الکبریٰ جلد اول صفحہ نمبر ۸۰ تا ۸۱)
جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ حضرت آمنہ آپ کو
لے کر مدینہ منورہ گئیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا کی تنہا خاندان نجار میں تھیں

وہیں ٹھہریں اس سفر میں حضرت ام ایمنؓ بھی ساتھ تھیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی واسیہ تھیں۔
مؤرخین نے رکھا ہے کہ آپ کی والدہ اس نکاحی رشتہ کی وجہ سے مدینہ منورہ گئیں لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا۔
قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اس سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے میرے نزدیک بعض مؤرخین کا یہ بیان
صحیح ہے کہ حضرت آمنہؓ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں جو مدینہ منورہ میں مدفون تھے بہر حال
ایک مہینہ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہیں واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء میں پہنچیں تو ان کا انتقال ہو گیا
اور انہیں مدفون ہوئیں۔ حضرت ام ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر مکہ مکرمہ میں آئیں
(سیرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلد اول صفحہ نمبر ۱۱۱۱)

دعا:

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے وسیلہ جلیلہ سے اس سعی جلیلہ کو
قبول فرما کر میرے لیے ذریعہ نجات بنائے اور عذاب اخروی سے محفوظ رکھے اور اس مسئلہ پر تادرت عقیدہ
رکھنے والوں کو اس کتاب کے ذریعہ حسن عقیدہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حسن عقیدہ والوں کے
لیے اسے مزید استحکام کا ذریعہ بنائے آمین ثم آمین بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
محمد واحد شمس غوثی مباروی

خادم آستانہ عالیہ حضرت قبلہ عالم مباروی

چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر پنجاب

(نوٹ) یہ کتاب آج سے تقریباً پندرہ سولہ سال پہلے لکھی تھی جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
والدین سے لے کر حضرت مددک تک کا ذکر نہیں تھا اس سال اس کی کو بھی پورا کر دیا گیا ہے الحمد للہ علی
ذالک

مآخذ و مراجع

۱	قرآن مجید
۲	بخاری شریف
۳	مسلم شریف
۴	ترمذی شریف
۵	ابوداؤد شریف
۶	نسائی شریف
۷	ابن ماجہ
۸	مصنف ابن ابی شیبہ
۹	مشکوٰۃ شریف
۱۰	اسنن الکبریٰ للبیہقی
۱۱	مسند امام احمد
۱۲	طبرانی شریف
۱۳	تفسیر ابن جریر
۱۴	تفسیر کبیر
۱۵	تفسیر ابن کثیر
۱۶	تفسیر روح المعانی
۱۷	تفسیر مظہری
۱۸	تفسیر جلالین

١٩	تفسير خازن
٢٠	تفسير البيضاوي
٢١	حاشية علامه عبد التظيم على البيضاوي
٢٢	شيخ زاده حاشية على البيضاوي
٢٣	تفسير صاوي
٢٤	تفسير مدارك المتكلمين
٢٥	تفسير ابو سعور
٢٦	تفسير خزائن العرفان
٢٧	تفسير نبياء القرآن
٢٨	تفسير نور العرفان
٢٩	اشرف التفاسير
٣٠	تفسير فتح العزيز
٣١	معاني القرآن
٣٢	شرح مسلم
٣٣	شرح مسلم (نووي)
٣٤	مشترک حاکم
٣٥	شرح موطا
٣٦	اشعة اللمعات
٣٧	المختل الروي في الحديث النبوي

٣٨	مواهب اللدنية
٣٩	انوار الحمدية
٤٠	سيرت علييه
٤١	زرقاني
٤٢	أفضل القراني
٤٣	فضائل العباس
٤٤	مدارج النبوت
٤٥	محمد رسول الله
٤٦	النصائح للعلماء
٤٧	تاريخ ابن عساكر
٤٨	الناوي للفتاوى
٤٩	فتح الباري
٥٠	رد المحتار
٥١	رياض الصالحين
٥٢	ذخائر العقبى
٥٣	طبقات ابن سعد
٥٤	غرائب المالك
٥٥	جلاء الأفهام
٥٦	السيف المسلول

٥٤	مرآة الزمان
٥٨	الدرة السنية في مولد سيد البرية
٥٩	التقريب
٦٠	محاضرات الاصطلاح
٦١	الناج والمسلوخ
٦٢	الموضوعات
٦٣	القول المسدود
٦٥	افجر المنيح
٦٥	التذكرة بامور الآخرة
٦٦	كشف القنون
٦٤	تلقيح فهوم الاثر
٦٨	تنبيهه الولاية والحكام
٦٩	معارض النبوت
٤٠	السابق واللاحق
٤١	مبادي النبوة
٤٢	شمول الاسلام
٤٣	البدرين والنجدين
٤٣	سيرت المصطفى كامل



ناشر۔ انتظامیہ جامع مسجد
 قبا جو کینال پارک سٹیج ہسٹریڈ پرشاپور، لاہور